

Vol. I  
No. 12.



Wednesday,  
10th March, 1954

# HYDERABAD LEGISLATIVE ASSEMBLY DEBATES Official Report

## PART II—PROCEEDINGS OTHER THAN QUESTIONS AND ANSWERS

### CONTENTS

	PAGES
Questions and Answers .. .. .	589-590
Budget General Discussion .. .. .	590-650



# THE HYDERABAD LEGISLATIVE ASSEMBLY

WEDNESDAY, THE 10TH MARCH, 1954.

*The House met at Half past Two of the Clock*

[MR. SPEAKER IN THE CHAIR]

## Questions and Answers

(See Part I)

### Presentation of the Report of the Committee on Petitions

*Shri Pampan Gowda (Manvi)*: I, the Chairman of the Committee on Petitions present this Report to the House on the following petitions which were discussed by the Committee on the 1st March, 1954 :

Petition No. 1: The subject matter of the petition, which was presented to the House by Shri Ch. Venkatrama Rao, M.L.A. is 'Grevances of the Process Servers of the Karimnagar Courts'. This is signed by 13 petitioners.

This petition is in conformity with the rules and the Committee decided that a summary of the petition be circulated to the Members.

Petition No. 2: The subject matter of the petition which was presented to the House by Shri K. Venkatrama Rao, M.L.A. is 'The Hyderabad Tenancy and Agricultural Lands (Amendment) Bill, 1953'. This is signed, besides Shri K. Venkatrama Rao, M.L.A. by about 800 Tenants and Kisans of Telengana.

Petition No. 3: The subject matter of the petition, which was presented to the House by Shri V.D. Deshpande, M.L.A. is 'Closure of the Hyderabad Spinning and Weaving Co., Ltd., Secunderabad.' This has been signed by Shri V.D. Deshpande, M.L.A. and four workers of the above mentioned Mills.

The above two petitions are in conformity with the rules and the Committee decided that these be circulated in extenso to the Members.

*Mr. Speaker:* The petitions may be circulated. Let us proceed to the next item, General Discussion on the Budget.

### Budget—General Discussion

*Shri G. Sreeramulu (Manthani):* My speech yesterday evening was inconclusive, Sir.

*Mr. Speaker:* If the hon. Member was on his legs yesterday, he may continue.

\**شری جی۔ سری راملو۔* کل میں بجٹ پر تنقید کرتے ہوئے یہ بتلا رہا تھا کہ کس طریقہ سے ہمارے اسٹیٹ کی مالی حالت اور آمدنی گرتی جا رہی ہے۔ اس موقع پر میں نے آنکڑے اسمبلی کے سامنے رکھتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ ۵۲-۱۹۵۱ ع میں ریونیو انکم ۲۹ کروڑ ۸۷ لاکھ ۴۹ ہزار تھی اور ۵۳-۱۹۵۲ ع میں ۲۶ کروڑ ۶۳ لاکھ ۴۹ ہزار اور سنہ ۵۴-۱۹۵۳ ع میں ۲۵ کروڑ ۹۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ سنہ ۵۵-۱۹۵۴ ع میں گوبجٹ اسٹیمپس میں بتلایا گیا ہے کہ ۲۹ کروڑ کے اوپر

آمدنی ہوگئی مگر ہر سال ریوائنڈ اسٹیمپس ( Revised estimates ) اور ایکچوئل فیکٹس ( Actual figures ) کو دیکھیں تو وہ بجٹ کے ریوائنڈ اسٹیمپس سے بہت کم ہیں۔ اس وجہ سے اس سال کا جو بجٹ اسٹیمپٹ رکھا گیا ہے وہ بھی میرے خیال میں کم رہے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ بڑے کا بلکہ میرا اندازہ ہے کہ وہ ۲۴ کروڑ تک جائیگا کیونکہ ہر سال وہ گرتا ہی جا رہا ہے۔ اسلئے اس سال بھی برابر کمی ہوگی۔ ہر سال اسکو اونچا کر کے بتلاتے ہیں مگر وہ گرتا ہی جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جو آمدنی رہتی ہے وہ بھی کم رہتی ہے اور وہ ہر سال اوپر سے نیچے کی طرف آرہی ہے۔ ہر سال بجٹ کا ملاحظہ کریں تو آپکو معلوم ہوگا کہ ریونیو وٹس میں ایک کروڑ کے لگے بھگ کمی ہوتی جا رہی ہے۔ پولیس ایکشن سے قبل ہاوی آمدنی اور ریونیو وٹس بڑھے یا کم سے کم وہی قائم رہے اور آج ہماری پاپولر سٹری کے قیام کے بعد کم ہوتے جا رہے ہیں تو اس طرف حکومت کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ آخر اتنے مٹی پلس پاس ہونے کے باوجود بھی ہاوی آمدنی کیوں گھٹ رہی ہے۔ اس کے برخلاف ایکسپنڈیچر ( Expenditure ) کو دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ وہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ گزشتہ سال ۵۴-۵۳ ع میں ۲۸ کروڑ ۱۹ لاکھ ۳۰ ہزار کا خرچہ ہوا اور اس سال ۲۹ کروڑ ۲ لاکھ روپے اخراجات کے لئے رکھے گئے ہیں۔ یعنی اخراجات میں ہم کمی کرنا نہیں چاہتے۔ آمدنی کم ہونے کے باوجود بھی اخراجات برابر بڑھ رہے ہیں۔ اخراجات بڑھ رہے ہیں تو

اسکے معنی یہ ہیں کہ عوام کے کندھوں پر وزن بڑھ رہا ہے۔ یہ وزن ان مزدوروں اور کسانوں پر بڑھ رہا ہے جنہوں نے دیش کی پیداوار بڑھانے کے لئے اپنی کمر کسلی ہے۔ وہ لوگ کب تک اس وزن کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے رہیں گے۔ آنریبل منسٹرس اپنے گھریلو یعنی کانگریس پارٹی کے خانگی جھگڑوں میں ہی ٹائم ویسٹ کر رہے ہیں۔ صرف،، امڈمنٹ ٹو منسٹرس سیلری بل،، اور ”ڈپٹی منسٹرس سیلری بل،، ہی آپ پیش کرتے رہیں گے تو میں نہیں سمجھتا کہ کچلے ہوئے کسان کب تک آپ کے ڈیفیسٹ بجٹ ( Deficit Budget ) کا وزن اٹھائے ہوئے رہیں گے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی حالت گرتی جا رہی ہے۔ کسانوں کے لئے کوئی امید نہیں ہے۔ دیش کی پیداوار بڑھانے کے لئے کوئی یوجنا نہیں ہے۔ بنجر زمینات کو کاشت میں لانے اور ری کامیشن آف لینڈ ( Reclamation of land ) کے بارے میں آپ کے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔ بیروزگاری دور کرنے کے بارے میں کوئی پلان نہیں ہے۔ آپ کسی پلان کے بغیر اندھا دھند جا رہے ہیں۔ جو اسٹیشنس ( Statistics ) اور فیکٹس سکریٹریز پیش کرتے ہیں اوس پر صرف آپ دستخط کرتے ہیں۔ اور اس ہاؤز کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ وہی اسٹیریو ٹائپ ( Stereo-type ) ہمارے سامنے چلتا آ رہا ہے جو نظام کے نظام حکومت میں تھا اور آج آپ کے نظام حکومت میں بھی وہی ہے۔ اگر اس طرح آپ محض سیلریز بل ہی پیش کرتے رہیں گے تو یہ خیال کا جائیگا کہ آپ صرف اپنے متعلق ہی غور کرتے ہیں۔ غریب عوام بولتے بولتے بیزار ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ بھی آپ کو توجہ دلاتے ہوئے بیزار ہو گئے ہیں۔ لیکن آپ کہہ لہم کہلا وہی کام کر رہے ہیں۔ اس پر مجھے ایک شعر یاد آیا کہ

نہ چھیڑائے نکمت باد بہاری راہ لگ اپنی  
تجھے اٹھکیلیاں سوچھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

کسان اور عوام تو بیزار بیٹھے ہیں اور آپ کو اٹھکیلیاں سوچہ رہی ہیں۔

[Mr. Deputy Speaker in the Chair]

آپ ڈپٹی منسٹرس اور منسٹرس کے لئے تو بلسی لا رہے ہیں لیکن غریب کسانوں کے متعلق کچھ نہیں کیا جاتا۔ کسان یہ کہتا ہے کہ ہم تو بیزار بیٹھے ہیں اور آپ کو اٹھکیلیاں سوچھی ہیں۔ کسان جو چیخ و پکار کر رہا ہے اوسکی کوئی آواز آپ تک نہیں پہنچ سکتی۔ کیش بیلنس ( Cash-Balance ) کے سلسلہ میں کانگریس کے نیتا یا لیڈرس جو حکومت میں کسی نہ کسی صورت میں بوسر اقتدار آگئے ہیں اوسکو کنجوسی کر کے پروٹیکٹ ( Protect ) نہیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ کم از کم کوئی اچھا کلم کرنا نہیں چاہتے تو کوئی برا کام بھی مت کیجئے۔ محض اپنے ہی مفادات کی بانی کی جانی ہیں اور عوام کے مسائل کو بھلا دیا جاتا ہے۔ ان کی بھلائی کے بارے میں آپ کوئی پروویژن بجٹ میں نہیں لاتے۔ آج آپ کے دماغ اور آپ کی پالیسیاں محدود

ہیں اور اوسی محدود جو کھٹے میں آپ جکڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ آپ کی آئیندہالوجی (Ideology) اور آپ کے وعدے جو آپ نے پبلک پلیٹ فارم سے کئے تھے اون کو پورا کرنے میں آپ ناکام ہو گئے ہیں۔ اس بجٹ میں یہ آنے والی باتیں نظر آرہی ہیں۔ کیش بیلنس کے سلسلہ میں آئریبل فنانس منسٹر نے اپنی اسپیچ کے صفحہ (۲۴) پر لکھا ہے کہ کیش بیلنس ۳۳,۰۰۰ کروڑ ہے وہ محض ایک عدد ہے۔ ۳۳,۰۰۰ کروڑ کا کوئی بازا بطہ کیش بیلنس نہیں ہے۔ اسکو انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ یہ کہا گیا کہ (۱,۹۰۰) کروڑ لندن کی کسی بینک میں ہے۔ ہمارے پاس حقیقت میں کیش بیلنس وہی (۳) کروڑ (۳۶) لاکھ کا ہے جو ڈیولپمنٹ لون (Development loan) کے تحت ہم نے حاصل کئے ہیں۔ حال میں جو رقم وصول کی گئی ہے اوسکو اگر نہ ملایا جائے تو میں سمجھا ہوں کہ کیش بیلنس بالکل زیرو ہے۔ کیپٹل اکسپنڈیچر کے تحت (۸) کروڑ (۸۰) لاکھ کا جو کام حکومت اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے اس کے بارے میں حکومت یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ حکومت ہند ہم کو پانچ کروڑ کے اک بھگ مدد دیگی۔ اس طرح آئندہ کی باتوں پر محل کھڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔ گویا حکومت ہند کی لکڑی پر حیدرآباد کی کانگریسی حکومت کا لکڑی کا گھوڑا اکھڑا ہوا ہے۔ اگر وہاں سے سہارا نہ مل سکے تو آیا یہ گھوڑا چل سکے گا یا نہیں ثابت ہو جائیگا۔ اوسی کے بل پر کانگریس کا لکڑی کا گھوڑا عوام کے سامنے دھمک دھمک کر چھلانگیں بھر رہا ہے۔ (۶) کروڑ (۹۹) لاکھ کا جو کیپٹل اوٹ لے (Outlay) بتایا گیا ہے اوسکو اگر (۱) کروڑ (۶) لاکھ کے ڈیفیسٹ کے بجٹ سے نکالیں تو معلوم ہوگا کہ ۸ کروڑ کا ڈیفیسٹ ہمارے بجٹ میں ہے۔ گویا اس طرح ۸ کروڑ کا ڈیفیسٹ بجٹ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اسکو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک کروڑ ۶ لاکھ کا ڈیفیسٹ جو بتایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیپٹل ورک کے لئے اتنا بڑا کام سامنے رکھا ہوا ہے حکومت ہند کی طرف سے مدد مانگی جا رہی ہے....

شری ورکاتم گوپال ریڈی (میڑچل)۔ پانچ کروڑ کا ڈیفیسٹ جو آپ بتا رہے ہیں کیا اوسکے تفصیلات آپ بتا سکتے ہیں۔

شری جی۔ سری راملو۔ تفصیلات کے لئے صفحہ (۲۴) ملاحظہ ہو۔ اس طرح میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ اگر آپ خسارے کے بجٹ پیش کرتے رہیں گے اور کیش بیلنس کو ٹھیک طور پر استعمال نہیں کریں گے تو آنے والے ہاتھوں میں زویہ نہیں رہیگا۔ تلگو میں ایک مثل موجود ہے

“వెంటనే వచ్చేది చివరకు వచ్చేది”

اس طریقہ سے جو کام ہو رہا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم اپکار کی درستی سے مسئلہ کو لیکر حل نہیں کیا جاسکتا تو کم از کم آنے والوں کے لئے یا دیش کی بھلائی

کے نقطہ نظر سے اپنی رہی سہی بونچی کا فلع فمع تو نہ کرنا چاہئے۔ اسکے اوپر ہم کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ جو مدات خرچ کے بسائے گئے ہیں اوس میں اون مدات کو جو درجہ دیا گیا ہے اوس پر مجھے اجنبہ ہوا۔ کانگریس نے پہلے عوام سے وعدے کئے تھے کہ ہم افلاس کو دور کرنے کے لئے لڑینگے۔ غربی دور کرنے کے لئے لڑینگے بیاری دور کرنے کے لئے لڑینگے۔ لیکن اس کے لئے جن مدات کو پہلے درجہ دینا چاہئے تھا انہوں نے نہیں دیا۔ ایجوکیشن کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ یہ محض لوگوں کو معلوم کرانے کے لئے رکھا گیا ہے کہ کانگریس حکومت تعلیم پر (۴۱۳۷) روپیہ خرچ کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ ایجوکیشن کا معیار گھٹتا جا رہا ہے۔ سکند آٹم (Second item) میڈیکل کا رکھا گیا ہے۔ تھرڈ آٹیم (Third item) سیول ورکس کا اور فورٹھ (Fourth) اریگیشن کا اور ففٹھ آٹیم (Fifth item) اگریکلچر کا رکھا گیا ہے۔ گویا اس درجہ میں اگریکلچر کا رینک ففٹھ ہے۔ اس کے لئے ساڑھے پچھتر لاکھ روپیہ کا اماؤنٹ رکھا گیا ہے حالانکہ زراعت میں ترقی کی جتنی ضرورت ہے وہ سب لوگوں کو معلوم ہے۔ زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہر شخص زبان سے کہتا ہے۔ جب تک زراعت کو فروغ نہ ہو جب تک کسان خوش حال نہ ہو دیش آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ میجر پرابلم (Major Problem) ہے۔ یہ ایک میجر پروفیشن (Major profession) ہے۔ اسکے باوجود زراعت کے لئے بجٹ کا پندرہواں حصہ رکھا جاتا ہے۔ یعنی روپیہ میں ایک آنہ بھی نہیں دیا جاتا۔ میں اس کو نہیں مان سکتا کہ یہ عوامی بجٹ ہے یا آج کی جواوستھا ہے اوسکے لحاظ سے یہ بجٹ بنایا گیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پہلا آٹیم اگریکلچر کا ہوتا۔ اس کے بعد اریگیشن اس کے بعد میڈیکل اس کے بعد ایجوکیشن اور اسکے بعد سیول ورکس اس طرح اگر سلسلہ آتا تو آج کی جو کچھ بھی اوستھا ہے اور آج کے جو بیرنگ پرابلمس (Burning problems) ہیں اون کے لحاظ سے تسلسل قائم رہتا۔ ایجوکیشن کے لئے کروڑ تک کی رقم رکھی گئی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ایجوکیشن کی ترقی بہت ضروری ہے۔ لیکن ایجوکیشن کے سلسلہ میں پرائمری اسکولس کے اکسیشن (Expansion) کے لئے جس طرح خرچ کیا جا رہا ہے وہ محض شوئی (Showy) ہے۔ بتانے کے لئے ہے۔ کیا کسانوں کے لڑکے وہاں آکر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اون کے دوسری ضروریات بھی ہیں۔ اون کے معاشی مسائل ہیں جن کی چکر میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ پہلے تو انکو حل کرنے کا وچار کرنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو ہارا پیسہ پانی میں بہہ جائیگا۔ ایجوکیشن حاصل کرنے کے سلسلہ میں کسانوں کو کیا رکاوٹیں ہوتی ہیں پہلے تو انہیں دور کرنا چاہئے۔ پہلے تو اون کے پیٹ کا مسئلہ ہے اون کی زمین کا مسئلہ ہے۔ اگریکلچر کا مسئلہ ہے۔ اون کھیت کا مسئلہ ہے۔ آج دیہات میں جا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں کمیونیکیشنس (Communications) ٹھیک نہیں ہے۔ کھیت گودام نہیں ہیں۔ اونکو تقاوی برابر نہیں ملتی۔ نہ اون کے پاس گائے ہیں اور نہ بیل۔ اون کی پیداواری گھٹ گئی ہیں جن کو بڑھانے

کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے جو "ٹورڈس ساف سفینسنسی" (Towards self sufficiency) کی کتاب نکالی گئی ہے اوس میں بنایا گیا ہے کہ ہندوستان میں پراڈکٹیوٹی (Productivity) کم ہوگئی ہے۔ حیدرآباد کی زمینات میں پیداوار کی سکت کم ہوگئی ہے۔ ایسے حالات میں اگریکلچر کی پوزیشن کو ترقی دینے کے لئے۔ کسانوں کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے کوئی مدد سہیا نہیں کیا گیا۔ یہ تمام باتیں معلوم ہونے کے بعد بھی صرف لپ سمپتھی (Lip Sympathy) کرنا ہی حکومت کا نظریہ معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جو مددات رکھے گئے ہیں وہ غیر ضروری ہیں۔ ان کو جو درجہ دیا گیا ہے وہ آج کے حالات کو مد نظر رکھ کر نہیں دیا گیا۔

بجٹ میں بہت سے ایسے مددات ہیں جو غیر ضروری ہیں۔

جاگیر اڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ پر ایک لاکھ ۹۲ ہزار روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ ڈسٹرکٹس گارڈنس (District Gardens) پر دو لاکھ روپیہ نیوایٹمس (New items) پر جو خرچ کیا جا رہا ہے ان میں سے لاکھس۔ (Law Books) پر ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ اور ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن اینڈ اکاؤنٹس (Directorate of Inspection & Accounts) پر پانچ لاکھ روپیہ۔ ٹیر گیس آمونیشن (Tear gas ammunition) پر دس ہزار روپیہ۔ انٹی کرپشن میژرس (Anti-Corruption measures) پر ایک لاکھ روپیہ۔ اینڈ سنسسی (Land Census) پر گیارہ لاکھ روپیہ اور آرکالوجیکل اسٹاف (Archaeological Staff) پر ریگرننگ اکسپنڈیچر (Recurring expenditure) ۲۳ ہزار رکھا گیا ہے۔ فشریز ڈپارٹمنٹ (Fisheries Department) پر بھی کافی رقم خرچ کی جاتی ہے لیکن اس سے جو فائدے حاصل ہونے چاہئیں نہیں ہو رہے ہیں۔ اس کے خرچ سے آمدنی کم ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دس ہزار کی بھی فش (Fish) فروخت ہوتی ہے یا نہیں۔ حالانکہ زیادہ آمدنی ہونی چاہیئے تھی۔ معلوم نہیں کہ جو فش یہ ڈپارٹمنٹ بیچتا ہے وہ کہاں بیچتا ہے اور کس کو ملتی ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن اینڈ اکاؤنٹس۔ معلوم نہیں کہ یہ نیا محکمہ کیوں قائم کیا گیا ہے۔ جب اس مقصد کو انسپکٹر آف آفس (Inspector of Offices) کے دفتر سے پورا کیا جاسکتا ہے تو اس نئے محکمہ کے قیام کی کیوں ضرورت پیش آئی معلوم نہیں ہو سکا۔ مجھے یہ نیا ڈپارٹمنٹ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جاگیر اڈمنسٹریٹر آفس۔ میں سمجھتا ہوں کہ ریونیو بورڈ کے سکرپٹری یا کسی اور آفیسر کے تحت کوئی پراچ رکھ کر اس محکمہ کو کسی سکرپٹری کے تفویض کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو خرچ میں کمی ہو سکتی ہے۔ ایک علیحدہ ڈپارٹمنٹ اس کے لئے قائم کر کے اڈمنسٹریشن کو ٹاپ ہیوی (Top heavy)



میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا۔ ہمارے ہاں اسسٹنٹ سیکریٹریز (Assistant Secretaries) (Joint Secretaries) اور (Additional Secretaries) کی جائدادیں بھی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر ضروری ہیں ان کو کم کر کے اخراجات میں کمی کی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ غیر ضروری جائدادوں اور غیر ضروری ڈپارٹمنٹس کو ریٹرنچ (Retrench) کرنا چاہیے۔

گارڈنس کے بارے میں میں کہوں گا کہ جو زمینات پیداوار کے قابل ہیں، جو غذائی اجناس اگا سکتے ہیں ان کو غذائی اجناس اگانے کے قابل بنا نے کے لئے تو کے آپ پاس پیسہ نہیں۔ بریچڈ ٹنکس (Breached tanks) کو درست کرنے کے آپ کو خیال نہیں ہے جس سے ملک کی معاشی اور غذائی حالت بہتر ہو سکتی ہے لیکن آپ گارڈنس میں ہر پالی اگانے اور لان (Lawn) بنانے کے لئے ترس رہے ہیں یہ آپ کو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کل کے حالات کے لحاظ سے ایسی ذہنیت کوئی مناسب ذہنیت نہیں ہے۔ ہاں گارڈنس سے دل بھلائی کرنا ہو تو ضروری معاملات کی انجام دہی کے بعد اس طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ یہ چیزیں بعد میں ہر سکتی ہیں۔

At this eleventh hour, what is it that we should do ?

یہ دیکھئے بغیر کہ گارڈنس کو ختم کرنا نہیں ہے لیکن گارڈنس سے استفادہ کرنے والوں سے چندے وصول کر کے یہ کام کئے جاسکتے ہیں لیکن اس چھوٹے سے کام کے لئے گارڈن انسپکٹر (Garden Inspector) اور بڑے اسٹاف کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارے ایم۔ ایل۔ ایز کوارٹر میں بھی گارڈن ہے لیکن وہاں کے اسٹاف کی حالت یہ ہے کہ وقت پر کام نہیں کرتے ہیں۔ اگر اسی باغبانی پر آپ باغ باغ ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ کمرٹی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ آج ضروری مسائل پکار پکار کر آپ کو اپنی طرف بلا رہے ہیں آپ کی توجہ اس طرف جانی چاہیے نہ کہ ایسے ایسے غیر ضروری مسائل کی طرف۔ ان ضروری مسائل سے چشم پوشی کر کے اگر آپ گارڈنس کے لئے روپیہ فراہم کرتے ہیں تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ خسر کی ٹیاں لگا کر اس کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے رہیں اور گارڈنس کے لئے ۲ لاکھ روپیہ خرچ کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ضروری مسائل پیچھے رہ جائیں گے۔

فشریز ڈپارٹمنٹ کے بارے میں میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ اس پر ۳۲ ہزار روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دس ہزار کی بھی فٹش فروخت نہیں ہوتی۔ پانچ ہزار کی دواؤں کو فروخت کرنے کے لئے اگر پچاس ہزار کا اسٹاف رکھا جائے تو یہ کسی قدر افسوس ناک بات ہے۔ اس کے لئے کوئی ڈیفائنٹ اسکیم (Definite Scheme) نہیں بنائی گئی ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن اینڈ اکاؤنٹس کے لئے ۵ لاکھ روپیہ رکھنے گئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ اس ڈپارٹمنٹ کی کیا ضرورت ہے۔ بجائے اس طرح کے ڈپارٹمنٹس پر فضول خرچ کرنے کے یہی پیسہ نیشن بلڈنگ ڈپارٹمنٹس (Nation building departments) پر خرچ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور کسانوں کی حالت کو درست کیا جاسکتا ہے۔

### ( The bell was rung )

اس سال جو نئے مدات کھولے گئے ہیں ان پر تبصرہ کر کے میں رخصت ہوتا ہوں۔ نئے ایٹمس جب بجٹ میں آتے ہیں تو ان سے ظاہر ہونا چاہیے کہ نئے مسائل کیا ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حکومت نے نئے حالات کا جائزہ لیا ہے اور نئے مسائل حکومت کے سامنے ہیں۔

ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ لایکس ( Law Books ) خریدنے کے لئے بجٹ میں رکھے گئے ہیں۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ لایکس کی ضرورت ہو۔ لیکن دوسرے جو نیو ایٹمس ہیں مثلاً ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن - ٹیر گیس - امونیشن - انٹی کرپشن میژرس - لینڈ سنسز - اور آر کالو جیکل ڈپارٹمنٹ کے لئے جو اکسپنڈیچر بتایا گیا ہے اس میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ہمارے کسانوں اور مزدوروں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے رکھا گیا ہو۔ ٹیر گیس امونیشن پر اس لئے خرچ کیا جا رہا ہے کہ اسمبلی کے پاس اپنے مطالبات لیکر کوئی آنے نہ پائے۔ اگر کوئی آئے تو آپ اس سے اسے مارینگے۔ انٹی کرپشن میژرس کے لئے ایک لاکھ روپیہ رکھے گئے ہیں میں خیال میں یہ بالکل غیر ضروری ہے۔ نظام کے زمانے میں بھی ایک انسداد رشوت ستانی کی کمیٹی قائم ہوئی تھی لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کے ممبرس خود رشوت ستانی میں ماحوذ ہو گئے چیف منسٹر صاحب نے یقین دلایا کہ یہ روپیہ انٹی کرپشن میژرس کو آگے بڑھانے کی خاطر خرچ کیا جائیگا۔ کرپشن کو روکنے کے لئے لاکھوں روپیہ کا خرچہ میں مناسب نہیں سمجھتا بلکہ کرپشن کو روکنے کے لئے ایسے لوگ کام کر سکتے ہیں جن کے دل میں ملک کی خدمت کا جذبہ ہے۔ ریٹائرڈ ججس ( Retired Judges ) جن کے دل میں سدبھاؤ ( سد भाव ) سے کام کرنے کا خیال ہے۔

پبلک کارکن - آئیری و رکرس ( Honorary Works ) ہم میں سے ہوں یا منسٹرس میں سے ہوں تو ریٹائرڈ ( Resign ) ہو کر اس کام کو

انجام دی سکتے ہیں۔ اگر اس طرح اس کام کی تکمیل کی جائے تو اچھا ہے۔ سوشیل سروس ڈپارٹمنٹ - اس ڈپارٹمنٹ کا نام تو بڑا اچھا ہے۔ سوشیل سروس ڈپارٹمنٹ کے تحت کام کرنے کے لئے بڑا محکمہ ہے۔ بڑا عملہ ہے۔ جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے لیکن میرے خیال میں اس ڈپارٹمنٹ کا نام جو سوشیل سروس ڈپارٹمنٹ ہے وہ سوزوں میں ہے۔ نان آیشیل ممبرس کی کمیٹی بنا کر ان کے ذریعہ سے تمام کام ہو سکتے ہیں۔ تمام فیصلے ہو سکتے ہیں۔ ہر ضلع میں ہر تعلقہ میں ایسا ہو سکتا ہے۔ اب کیا ہوتا ہے کہ سوشیل سروس کے منسٹر صاحب ہیں، سیکریٹری

ہیں وہ دورے پر آتے ہیں کلکٹر کی رپورٹس پیش ہوتی ہیں اور اس کو سکریٹری منظور کرتے ہیں اور سکریٹری جو لکھ دیتے ہیں اس سے منسٹر صاحب ایگری (Agree) کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود اس ڈپارٹمنٹ میں اننا زیادہ عملہ رکھا گیا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پرائیویٹ اسکولس۔ پرائیویٹ اسکولس کو امداد دی جاتی ہے لیکن ان کی نگرانی مطلق نہیں کی جاتی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ چل بھی رہے ہیں یا نہیں۔ شائد سوشیل سروس منسٹر صاحب جانتے ہوں تو جانتے ہوں باقی کسی کو علم نہیں ہے۔ پرائیویٹ اسکولس سوشیل سروس کے تحت چلتے ہیں ان کو ڈی۔ پی۔ آئی (D. P. I.) کے تحت کیوں نہیں لیا جاتا۔ کیوں اس کی لگام گورنمنٹ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ وہ اسکولس جب تک گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم کے تحت نہیں آئیں گے اور اڈمنسٹریٹو میژرس (Administrative Measures) جب تک اختیار نہ کئے جائیں گے اس وقت تک ٹھیک طور پر کام ہونے کا امکان نہیں ہے۔ سوشیل سروس میں جو کھلبلی بھی ہوئی ہے اس کو ختم کرنا چاہئے ہریجن ولفیر (Harijan Welfare) کے لئے بھی بہت پیسہ رکھا گیا ہے لیکن ان میں ٹھیک طور پر تقسیم کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس بارے میں حکومت کے سامنے کوئی یوجنا (یोजना) ہونی چاہئے۔ نئے ایٹمس کے بارے میں میں پھر یہ کہوں گا کہ یہ عوام کے کام کے نہیں ہیں صرف اڈمنسٹریٹو نقطہ نظر سے رکھے گئے ہیں۔

لینڈ ریوینیو کی آمدنی جو کم ہو رہی ہے اب میں اس جانب حکومت کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ بہت سے زمینات بنجر پڑی ہوئی ہیں۔ ان کو گرو مور فوڈ کی مپن (Grow More Food Campaign) کے تحت زیر کاشت لانے کے لئے ہم کو آگے بڑھنا چاہیے۔ بھومی سینا تیار کر کے (۷۰) لاکھ ایکڑ کے قریب جو بنجر زمین پڑی ہوئی ہے اس کو ایک پلان کے تحت زیر کاشت لانا چاہئے۔ لیکن ہمیں اس بارے میں حکومت کا کوئی پلان نظر نہیں آتا۔ جو لینڈ ہنگر (Land hunger) پیدا ہو گیا ہے وہ بھی بھومی سینا تیار کرنے سے کم ہو جائیگا اور بہت سی ان کلتیویٹڈ لینڈ (Uncultivated land) انڈر کلتیویشن (Under cultivation) آسکتی ہے۔ اور اس طرح ہمارا فوڈ پرابلم (Food problem) بھی حل ہو جائیگا اور حالات بہتر ہو جائیں گے۔

اڈمنسٹریشن میں اکائی (Economy) کا ذکر کرتے ہوئے ایک آنریبل ممبر نے کہا کہ ڈپٹی کلکٹرس کے لئے جو خرچ ہو رہا ہے وہ وِسٹیج (Wastage) ہے۔ کلکٹرس کی موجودگی میں یہ خرچ بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح چیف سکریٹری کو بھی دو ہزار پانچ سو روپیہ آئی۔ جی تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان سے مارلی (Morally) اپیل کرنا چاہئے کہ وہ اپنی تنخواہ میں

کمی کو خود قبول کرلیں۔ پرجا سوشلسٹ پارٹی نے اپنے مینی فیسٹو (Manifesto) میں بتا یا ہے کہ تنخواہ ہوں کا تناسب کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہونا چاہیئے۔ اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انتہائی تنخواہ کم سے کم تنخواہ کے دس گونہ سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے اس لحاظ سے وقت کے تقاضے کے لحاظ سے ان آفیسروں کو چاہیئے کہ وہ خود اپنی تنخواہوں میں کمی کو قبول کرلیں ورنہ ان کو مجبوراً قبول کرنا پڑیگا اس لئے ان کو خود بخود اس کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ سیت سندھیوں کی تنخواہ تین روپیہ ہے چیف جسٹس کو تین ہزار روپیہ دئے جاتے ہیں اور راج برمکھ کو پچاس لاکھ روپیہ دئے جاتے ہیں۔ اس فرق کو مٹاتے ہوئے مساوات کی طرف آگے بڑھنا چاہیئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ Gradually we are going towards that progressive steps

تو میں کہوں گا کہ یہ (gradually) پرو گرس (progress) کی طرف جانا نہیں ہے بلکہ آپ پچھلے طریقے پر چل رہے ہیں اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی پرو گریسو اسٹپ (Progressive step) ہے۔ ڈپٹی کلکٹرس کی پوسٹ کو ختم کرنا۔ سکرٹریز کو کم کرنا یہ تمام باتیں آجکل کی ضروریات میں سے ہیں۔

جیسا کہ آنریبل لیڈر آف دی اپوزیشن نے کہا ہمارے ملک میں کئی لوگوں کے پاس پراپرٹیز (Properties) ہیں اور کافی پیسہ بیکار پڑا ہوا ہے جو ملک کے کسی کام میں نہیں آتا۔ اس کے لئے کیپٹل لیوی سسٹم (Capital levy system) لگانا چاہیئے۔ اور کسی کی پراپرٹی ایک لاکھ سے زیادہ ہو تو اس پر یہ عائد کیا جانا چاہیئے۔ اس طرح کہ ایک لاکھ سے زیادہ ہو تو اتنے فیصد حکومت کے پاس دیا جائے اور کسی کی آمدنی ۵ لاکھ ہو تو ان پر زیادہ اس طرح یہ گریڈڈ سسٹم ہونا چاہیئے کیپٹل لیوی کے ذریعہ اکیو ملیٹڈ ولتھ (Accumulated Wealth) لیکر اس کو دیش کے کام میں لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ریونیو بھی گریڈڈ ہونا چاہئے۔ اور جس طرح لیڈر آف دی یو۔ پی۔ پی نے فرمایا ہے پکر والے کو ۹ روپیے فی ایکر تری اور کسی کے پاس ۲۰ پکر ہو تو اس سے زیادہ ریٹ اور ۵۰ پکر ہو تو اس سے بھی زیادہ ریٹ ہونا چاہیئے۔ اس سے یہ ہوگا کہ ایک تو گورنمنٹ کو پیسہ زیادہ آئیگا اور دوسرے کوئی زیادہ ہولڈنگس رکھنے کی کوشش نہیں کریگا اور وہ ہولڈنگس دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں آئیگی۔ اور اس طرح جس کے پاس زمین نہیں ہے اس کو زمین ملیگی۔ ان تمام باتوں پر غور کر کے بجٹ کو سدھارنا چاہیئے۔ جو اعداد بجٹ میں رکھے گئے ہیں۔ وہ حالات کے لحاظ سے موزوں نہیں ہیں۔ بیالنس (Balances) متاثر ہو چکے ہیں۔ اس میں گو ایک کروڑ چھ لاکھ کا خسارہ بتایا گیا ہے لیکن جو کیپٹل ورکس بتائے گئے ہیں ان کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو خسارہ ۸ کروڑ کے قریب ہو جاتا ہے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ کسان پر بوجھ زیادہ ہے۔ یہ بجٹ غوامی بجٹ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک دیوالیہ بجٹ ہے اور اسٹائٹسکو (Status quo) میں بننے کے لئے لایا گیا ہے۔ اتنا کہتے ہوئے میں رخصت ہوتا ہوں۔

مسٹر ڈپٹی اسپیکر - قبل اس کے کہ دوسرے ممبر تقریر شروع کریں میں آنریبل ممبرس سے یہ کہوں گا کہ وہ کم سے کم وقت لیں تاکہ زیادہ ممبرس کو اظہار خیال کا موقع مل سکے۔

شری پنڈم واسدیو (گجویل) - آپ ٹائم لمٹ مقرر کر دیں تو ٹھیک ہوگا۔

مسٹر ڈپٹی اسپیکر - اگر سب آنریبل ممبرس اس پر متفق ہوں تو مجھے لمٹ مقرر کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن پہلے سے لمٹ مقرر نہیں کی گئی ہے اس لئے ممکن ہے بعض آنریبل ممبرس کو اب لمٹ مقرر کرنے کی وجہ سے اعتراض ہو۔

*Shri R. B. Deshpande (Pathari)* : There are many members who wish to speak.

*Mr. Deputy Speaker* : Shall we limit the time ?

*Shri R. B. Deshpande* : I would suggest that. I would also suggest that chances should be given alternately to both the sides of the House.

*Mr. Deputy Speaker* : That cannot be claimed.

*Shri R. B. Deshpande* : I request the hon. Speaker to Consider that.

|| شری بی۔ ڈی۔ دیشمکھ (بھوکر دھن - عام) : ہاؤس کے آنریبل ممبرس کی یہی رائے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

|| वित्त मंत्री (श्री. वि. के. कोरटकर) :—लोग तो काफी खड़े हो रहे हैं अभी बेट दो घंटे बाकी हैं। तो सबको १५ मिनट दिये जाय तो काफी होंगा ऐसा मेरा ख्याल है।

مسٹر ڈپٹی اسپیکر - اچھی بات ہے۔

|| شری سی۔ ایچ۔ وینکٹ رام راؤ (کریم نگر) - مسٹر اسپیکر سر - میں نے بجٹ کے اعداد کو اس پوائنٹ آف ویو (Point of view) سے دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں سوشل سروس - اور نیشن بلڈنگ ڈپارٹمنٹس کے لئے کس حد تک پرووائڈ (Provide) کیا گیا ہے۔ اس پوائنٹ آف ویو سے میں یہ کہوں گا کہ اس میں کوئی چینج نہیں ہوا ہے۔ اور پولیس ایکشن سے پہلے نظام کی حکومت کے زمانے میں جو جاگیردارانہ اور زمیندارانہ بجٹ تھا وہی بجٹ مجھے آج بھی نظر آ رہا ہے۔ اور اسی بیس (Basis) پر ہی اس کو بھی تیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ آج ویلفیر اسٹیٹ (Welfare State) کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اگر اس بجٹ میں کچھ نئے آئیٹمز لائے گئے ہیں تو وہ محض چند دکھاوے

کے لئے ہیں۔ اور کوئی نئی چیز اس میں نہیں ہے۔ میں اپنی اسپیش میں بجٹ پر صرف ہلتھ (Health) کے ہوائینٹ آف ویو سے بحث کرنے کی کوشش کرونگا اور یہ بتلاؤں گا کہ (۱۹۴۵-۱۹۴۶ ع) کے مقابلہ میں یہ بجٹ کس حد تک آگے بڑھ سکا ہے۔ اور میں فیگرس سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ ہلتھ کے تعلق سے ۴۵-۴۶ کے مقابلہ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی ہے۔ علاج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ کیپٹل اکسپنڈیچر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دوسرے ترقی یافتہ ممالک کو تو چھوڑ ئیے آس پاس کے صوبوں کے مقابلہ میں بھی یہاں زمین آسان کا فرق ہے۔ میں بمبئی اور میسور سے اس کا مقابلہ کر کے بناتا ہوں۔ کیا پیٹل اکسپنڈیچر آن سوشل سروس یہاں ایک روپیہ ہے بمبئی میں ۱۹۲۶ ہے اور میسور میں ۱۹۶۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا پڑوسی اسٹیٹ میسور ہلتھ پالیسی میں کس قدر آگے ہے۔ ہلتھ ازولتھ (Health is wealth) یہ کہا تو جاتا ہے۔ قوم کی ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہلتھ اچھی ہو۔ اس ہوائینٹ آف ویو سے دیکھا جائے تو ہمارے پاس ہلتھ کے لئے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہلتھ کا سکشن ہمارے پاس ایک نان ٹکنیکل آنریبل ممبر پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ گورنمنٹ میں ٹیکنیکل ہینڈس موجود ہیں۔ پی۔ ڈبلیو ڈی کا بھی یہی حال ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دو تین سال سے یہ محکمہ ایسے نان ٹکنیکل منسٹرس پر چھوڑ دیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے لئے ٹیکنیکل اوپینین (Technical opinion) کی ضرورت ہے۔ میں تو لے میان (Layman) ہوں۔ ہارڈیکر صاحب سے مشورہ کر کے جواب دیتا ہوں۔ میں کھتری صاحب سے دریافت کرتا ہوں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسے نان ٹکنیکل ہینڈس کس طرح مسائل صحت کو ڈیل (Deal) کر سکتے ہیں۔ اگر ٹیکنیکل لوگوں کے ہاتھ میں یہ ڈپارٹمنٹ دیا جاتا تو عوام کو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہوتا۔ کیپٹل میں ڈاکٹر میلکوٹے ہیں ڈاکٹر چننا ریڈی ہیں۔ ان لوگوں کو ہلتھ کا محکمہ کیوں نہیں دیا جاتا۔ میں یہ کہوں گا کہ گورنمنٹ اس بارے میں توجہ کرے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ۱۹۴۵ ع سے آج کے ہلتھ بجٹ کا مقابلہ کر کے بتلاؤں گا کہ ۴۵ ع میں ہمارے پاس ڈاکٹرس اور ہاسپٹلس کی کیا حالت تھی اور آج کیا حالت ہے۔ آج ایلو پیٹھک ڈاکٹرس کی تعداد ۵۲۸ ہے اور ایوریدک ڈاکٹرس کی تعداد ۱۳۱ اور یونانی حکیموں کی تعداد ۶۴۔ اس طرح آبادی کے لحاظ سے ۲۰ ہزار آدمیوں کے لئے ایک ڈاکٹر حیدرآباد میں ہے تقریباً تین چار سال قبل ایسی یوجنا بنائی گئی تھی کہ ڈاکٹروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ لیکن یہ یوجنا بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس کے برخلاف آپ پولس کے مد کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ۵۰۰ آدمیوں کے لئے ایک پولس والا رکھا گیا ہے۔ لیکن ۲۰ ہزار آدمیوں کے لئے ایک ڈاکٹر وید یا حکیم رکھا جاتا ہے۔ ہاسپٹلس کی کیا حالت ہے۔ ہاسپٹلس ۲۳۳ ایلو پیٹھک ۵۸ ایوریدک اور ۹۹ یونا فی اس طرح جملہ ۳۹۰ دواخانے ہیں یعنی ۲۱۰ اسکوائڈ

مائل کے رقبہ کے لئے ایک دواخانہ۔ اس کے برخلاف اردو میل کے رقبہ کے لئے ایک پولیس من ہے۔ حکومت کی پالیسی کی یہ حالت ہے۔ جو یوجنا بنائی جاتی ہے وہ ۵۰ فیصد بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ پیشنٹس کو دیکھتے ہیں ۴۰-۴۱ میں ۳۰ روزانہ اوسط ان پیشنٹس کا ٹریٹمنٹ کیا گیا۔ اور ۵۲-۵۳ میں ۴۳ ان پیشنٹس کا روزانہ اوسط ڈیلی ٹریٹمنٹ کیا گیا۔ یعنی صرف ۱۳۳۱ زیادہ ان پیشنٹس کا علاج کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اوٹ پیشنٹس ۴۵ ع میں ڈیلی (۲۴۹۰) ٹریٹ کئے جاتے تھے۔ اور ۵۲-۵۳ میں ۴۹۲ ۳۸ ٹریٹ کئے جاتے ہیں۔ یعنی صرف ۳۵۹۰ کا ڈفرنس ہوا ہے۔ نو۔ دس سال کے بعد آج یہ حالت ہے اتنی ہی ترقی ہو سکی ہے۔ اسی طرح ٹی۔ بی ہاسپٹلس ہیں۔ ارم نما اور وقار آباد کے جو بھی ہاسپٹلس ہیں وہاں دس سال قبل پانچ سو سے زائد بڈس تھے۔ آج ۶۷۵ بڈس ہیں اور آپ کی منسٹری آنے سے پہلے تک تو ۴۳۰ بڈس تھے آپ کی منسٹری آنے کے بعد صرف چالیس بڈس کا اضافہ ہوا ہے۔ اور معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی کمپلیٹ نہیں ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اوسط طبقے کے زیادہ لوگ ہی ٹی۔ بی سے دن بدن متاثر ہو رہے ہیں لیکن اس کا پورا انتظام نہیں ہوتا۔

کالرا تو ایک سال سے آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ حکومت کے کہنے کے مطابق کالرا سے ۵ ہزار اسوات ہوئی ہیں اور تقریباً ایک لاکھ اٹاکس ہوئے ہیں۔ ہر سال ہر مہینے ہر ہفتہ حکومت کی جانب سے پریس نوٹس نکلتے ہیں کہ بلیچنگ پاؤڈر اور دوسرے ضروری کیمیکلس برابر ڈسٹریبیوٹ نہیں کئے جارہے ہیں۔ ویا کزینیشن (Vaccination) کس حد تک ہوتا ہے اور اس سے عوام کو کتنا فائدہ ہو رہا ہے۔ جو کیا پیٹاسٹ کنٹریز (Capitalist countries) میں تو کالرا (Cholera) اور اسال پاکس (Small-pox) یہ ڈیسیز (Diseases) ملتی ہی نہیں۔ وہاں ان کے خلاف زبردست کامپین (Campaign) شروع کی گئی۔ اور ان ڈیسیز کو ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس بارے میں کچھ نہیں سوچا جاتا۔ تین دن قبل ہی میں دیکھا ہوں ایک پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ محبوب نگر میں کالرا کا خطرہ ہے۔ ۱۵ دن قبل جو پریس نوٹ نکلا تھا اس میں بتایا گیا ہے کہ گذشتہ مہینے کے مقابلہ میں اس مہینے کالرا زیادہ ہے۔ اور ۹۸ ڈیتھس (Deaths) اور ۱۳۶ اٹاکس (Attacks) ہوئے ہیں۔ اسال پاکس سے بھی ہر مہینے میں ۳-۵ ڈیتھس ہوتی رہتی ہیں۔ اور ۵۰-۶۰ مبتلا ہوتے ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا نام آپ کے رجسٹر میں انٹر کرایا جاتا ہے۔ اس کی ٹیکہ اندازی ہوتی ہے۔ آپ کے پاس اس کے لئے ایکٹ ہے۔ اس قانون کے تحت آپ ہر ایک کی ٹیکہ اندازی کا انتظام کر سکتے ہیں۔ لیکن کیوں نہیں کیا جاتا۔ یہ ڈیسیز ولفر اسٹیٹ میں آپ کو شکار بناتی چلی جا رہی ہیں لیکن کوئی روک تھام نہیں ہوتا۔

رویل میڈیکل ایڈ (Rural Medical aid) کے بارے میں

میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کے پاس موہائل میڈیکل یونٹس اور میڈیکل چسٹس تو ہیں۔

ان کا ذکر تو کیا جاتا ہے ان پر کافی روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ تلگو میں ایک مثل ہے کہ ”*దొంగల పట్టానికి పట్టాన్ని కట్టించుకో*“، یعنی یہ کہ شیر کو دیکھ کر گیدڑ نے بھی اپنے آپ کو داغ دے لیا۔ اسی طرح آپ نے بھی ۶ سو بائیل یونٹس قائم کر دیے۔ کاغذوں پر یہ بتا یا جاتا ہے کہ اس کے اتنے پیشکش ہیں۔ یہ ڈاکٹر ۱۵ دن مستقر پر رہتے ہیں اور ۱۵ دن دورہ کرتے ہیں۔ آپ کسی ٹیکنیکل ہینڈ سے پوچھئے کہ اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ میں نے کئی لوگوں سے اس بارے میں ڈسکس (Discuss) کیا وہ صاف یہ کہتے ہیں کہ یہ بھولچند گاندھی صاحب یا امرت کور کی اسکیم ہے اسی لئے ہمیں یہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان سے کہا آپ ماهر ہیں کیوں رپورٹ نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے برابر رپورٹ دی ہے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ ہم اس لئے مجبور ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ مڈیکل چسٹ (Medical chest) کے بارے میں آنریبل ممبرس جاننے ہیں کہ اس کے لئے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ میں خود کریم نگر کا حال بتلاتا ہوں۔ وہاں کسی کو ٹریننگ نہیں دی گئی۔ ٹیچرس کو آنے کے لئے کہا جاتا ہے وہ بغیر ہتھ کے نہیں آتے۔ پٹیل پٹواریوں کے نام پر مڈیکل چسٹس دیدئے جاتے ہیں۔ اس طرح لاکھوں روپیہ گورنمنٹ سے خرچ تو کیا جاتا ہے۔ لیکن کوئی ٹرینمنٹ نہیں ہوتا۔ روپیہ فضول خرچ ہو رہا ہے۔

ایک اور جانب تو جہ دلا کر میں اپنی تقریر کو ختم کروں گا۔ میں بتاتا ہوں کہ عوامی حکومت میں ہلتہ کا کیا حال ہوتا ہے۔ ریشیا میں کرگش (Kirgish) ایک ۱۴ لاکھ پاپولیشن کی چھوٹی سی اسٹیٹ ہے جو حیدرآباد اسٹیٹ کا ۱۴.۱ حصہ ہوتا ہے۔

اس کنٹری (Country) کی حالت دیکھئے۔ وہاں پر ۱۵۶ دواخانے اور وبائی امراض کے سنٹرس ۵۹ اور ہاسپٹلس میں بڈس کی تعداد ۳۳۲۰۔ مڈیکل اسسٹنٹس اور مڈوائف کی تعداد ۳۸۹ اور فزیشن ۷۴ ہیں۔ وہاں کی یہ حالت ہے کہ ہر ڈسٹرکٹ میں امبولنس پلینس رکھے جاتے ہیں تاکہ وباؤں کے پھوٹ پڑنے کی صورت میں بروقت انتظام کیا جاسکے۔ وہاں ہر جگہ ایر امبولنس اینڈ ایوی ایشن پلینس (Air ambulance and aviation planes) ہمیشہ مستقر اضلاع میں تیار رہتے ہیں۔ وہاں ڈسٹرکٹس میں رورل مڈیکل ریلیف کے طور پر پانچ چھ ولیجس کا ایک سنٹر رکھا جاتا ہے اور ان دواخانوں میں جو اسپیشلسٹ ہیں اور جو فزیشن ہیں ان کا کنٹیکٹ رہتا ہے۔ ان کے لانے اور لیجانے کے لئے اوپر ذکر کئے ہوئے ہوائی جہاز کام کرتے ہیں اور بروقت اطلاع کے لئے کمیونیکیشنس کا انتظام رہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو وہ فائدہ پہنچائیں۔ اس نقطہ نظر سے سوچا جائے تو ہمارے پاس اس مد میں ۱۵ پرسنٹ بھی نہیں رکھا گیا ہے۔ حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ ۴۹ ع سے لیکر ۵۴ ع تک حکومت نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ اس لئے اس میں جتنا بھی کام بڑھائیں کم ہوگا۔ اتنا کہہ کر میں ختم کرتا ہوں۔



श्रीमती आशाताजी बाघमारे (वैजापूर):—अध्यक्ष महाराज, लोकशाही राजवट आपल्या येथे सुरू होऊन दोन वर्षे झाली आहेत. आपण ज्या वेळी लोकशाहीच्या सफलतेचा विचार करतो त्या करिता आपण हें पाहिले पाहिजे की, लोकांचा अत्साह वाढला आहे काय ? लोकांत स्वयंस्फूर्तीने काम करण्याची अिच्छा निर्माण झाली आहे काय ? या बद्दल मला दोन चार मुद्दे आपणा पुढे मांडावयाचे आहेत.

पहिला मुद्दा असा की लोकांच्या मनांत लोकशाही आल्या पासून किती प्रमाणांत स्वयंस्फूर्ती वाढली आहे ? तसेच किती प्रमाणांत त्यांच्यात अत्साह निर्माण झाला आहे ? हें पाहणें आवश्यक आहे. पहिल्यांदा अेक गोष्ट लक्षांत घेतल्यास असें दिसून येतें की स्वातंत्र्य आल्यापासून लोकांमधील अत्साह आणि स्वयंस्फूर्ती कमी होत असलेली दिसून येते. आज सरकार अधिकाधिक आपल्या अधिकाऱ्यावर अवलंबून आहे सरकार आपल्या अधिकाऱ्यावर किती प्रमाणांत अवलंबून आहे आणि लोक संस्था प्रामुख्याने किती प्रमाणांत काम करतात या वरून लोकशाहीच्या प्रगतीचा अंदाज काढता येतो. गेल्या दोन वर्षांतील अनुभवावरून असें दिसून येतें की सरकारने जी डेव्हलपमेंट ( Development ) ची कामें सुरू केली त्या बाबत लोकांच्या मनांत निश्त्साह दिसून येतो, म्हणून सरकारला लोकशाही यशस्वी करावयाची असल्यास लोकांच्या मनांत नवीन अत्साह आणि स्वयंस्फूर्ती निर्माण करण्याचा प्रयत्न केला पाहिजे. या करिता मी हा पहिला मुद्दा चर्चेला मांडित आहे. या नंतर दोन तीन मुद्दे मी आपणा पुढे मांडणार आहे.

पहिला मुद्दा असा की शिक्षणा बाबत या अंदाजपत्रकांत विश्वविद्यालयीन शिक्षणावर १० लक्ष रुपयांचा खर्च कमी करून दाखवला आहे. मला वाटतें तो त्याहि पेक्षा कमी करता येतील. मुंबई प्रांतात ६० लक्ष रुपयांत जवळ जवळ सहा विश्वविद्यालये चालविली जातात आणि आपल्या येथे मात्र ५१ लक्ष रुपयांत फक्त अेकच विश्वविद्यालय चालतें ही मोठी आश्चर्याची गोष्ट आहे. लोकशाहीत जास्तीत जास्त अुच्च शिक्षण लोकांच्या हातांत असतें म्हणून माझी अेक नम्र विनंती आहे की, आपल्या येथेहि विश्वविद्यालयीन शिक्षण लोकांच्या हातीं द्या, कारण लोकशाही सरकारचे कर्तव्य लोकांना प्राथमिक शिक्षण देण्याचें असतें त्या वरच सरकारने भर द्यावा. मला वाटतें ही गोष्ट मी मागे अेकदा सांगितली होती.

आमच्या सरकारने प्राथमरी शिक्षणाचें नुसतें नाटक चालविले आहे. खेड्यांपाड्यांतून प्राथमारी शाळांची संख्या वाढली आहे असें सरकार अंदाजपत्रकांत म्हणते. अंदाजपत्रकांतील आकडे फुगवून दाखवावे अेवढाच सरकारचा हेतू असेल तर मग मला कांहीं म्हणावयाचें नाहीं. आमचे सरकार नुसत्या शाळा अुघडते पण तेथे बरोबर शिक्षण दिलें जातें की नाहीं याचा विचार सरकार करित नाहीं. आजच्या बजेट मध्ये शिक्षणावरील अेकंदर पांच कोटी रुपयांच्या खर्चापैकी जवळ जवळ अडीच कोटी रुपये प्राथमिक शिक्षणावर खर्च होणार आहेत, पण मला असें म्हणावयाचें आहे की, तो योग्य होतो का ? तुम्ही अेखाद्या शिपायाला ४६ रुपये पगार देता आणि मास्तरला मात्र ३० रुपये पगार देता हें बरोबर आहे काय ?

आम्हाला सांगण्यांत येतं कीं आम्ही अितक्या प्राथमिक शाळा काढल्या, लोकशिक्षणाचे अितके वर्ग सुरू केले, पण ते कितपत उपयुक्त ठरले आहेत याचा कधी विचार केला आहे काय ? खर्च केलेला पैसा योग्य कामी लागला आहे काय, लोकांना शिक्षण मिळालं काय याचा जरा विचार करायला पाहिजे. शिक्षण नुसते ४ थी पर्यंत घेतलं काय आणि नुसतं साक्षर झाले काय, यांत फरक पडत नाही पण तें शिक्षण उपयेगी सिद्ध होण्यास त्यात सातत्य असलं पाहिजे. खेड्यांत मुलं सुगीच्या दिवसांत शेतावर काम करावयास जातात आणि त्यांच्या शिक्षणामध्ये खंड पडतो हें योग्य नाही.

दुसरी गोष्ट अशी कीं, जो कोर्स सरकार कडून शाळांना दिला जातो तो चार सहा शिक्षकांच्या शाळांकरिता आणि अेक शिक्षकाच्या शाळेकरितां अेकच दिला जातो. या गोष्टी कडे शिक्षणमंत्र्यानीं लक्ष द्यावे, कारण चार माणसे जे काम करूं शकतील ते काम अेक माणूस तितक्याच वेळांत कदापि करूं शकणार नाही, ही गोष्ट लक्षांत घेतली पाहिजे नाही तर त्या शिक्षकाला निदान अेखादा मदतनिस तरी दिला पाहिजे. शहरांतील चार सहा शिक्षकांच्या शाळा करिता जो कोर्स तयार असतो तो खेड्यांतील शिक्षकाला पूर्ण करावा लागतो त्या मुलें तेथील शिक्षक अेकही काम पूर्ण करूं शकत नाही. या मुलें खेड्यांतील शाळावर बराचसा खर्च केल्याचें सरकार साम्रतें तें बरोबर नाही, तो खर्च व्यर्थ जातो. आजकाल सरकारने शिक्षकांकरिता अेक आठवड्याचे ट्रेनिंग काढलें आहे. अेक आठवड्यांत तो शिक्षक काय ट्रेनिंग घेणार आणि त्याला काम ज्ञान होणार हेंच मला समजत नाही दोन, दोन, तीन, तीन वर्षांचे ट्रेनिंग घेऊनहि शिक्षक तज्ञ होत नाही तर एक आठवड्याचें ट्रेनिंग घेऊन काय ज्ञान तो मिळवणार आहे, आणि काय मुलांचा फायदा होविला याचा विचार सरकारनेच करावा.

साक्षर झालेल्या लोकांचा आणि शाळांचा आकडा वाढला पाहिजे मग तेथे शिक्षण कसेंहि मिळो, हाच सरकारचा दृष्टीकोण दिसतो. आकडे फुगवून दाखविल्याने कोणतीहि सुधारणा कागदावर होत असेल, पण खरोखर ती सुधारणा होत नसतं व जनतेचा त्या बासून कांहीही फायदा होत नसतो.

आतां पर्यंत आमच्या येथे गोष्टी पद्धत होती, त्यामुलें मुलींच्या शिक्षणांत आमच्या येथें प्रगति होऊ शकली नाही, पण आतां आमचे लोकशाही सरकार आलें आहे. या काळांत मुलींच्या शिक्षणांत प्रगति होणे आवश्यक आहे. आतां पर्यंत पुरुषांची स्त्रीयांवर बराच अन्याय केला आहे. कोणी काहीही म्हणो पण आज स्पष्ट दिसत आहे कीं स्त्री शिक्षणावर फारच कमी आमच्या येथे होत आहे. मुलींच्या शिक्षणांत आणि मुलांच्या शिक्षणांत काहीही फरक केला नाही म्हणून मुलींच्या शिक्षणाकडे काय खर्च झाला याचा बरोबर अंदाजा नाही. घटनेंत स्त्री पुरुष भेद केलेला नाही मग स्त्रीशिक्षणावर खर्च कमी का करतां ? अजकाल खेड्यापाड्यातून विशेष गोष्टी केल्या गेल्या आहेत. हैदराबाद सारख्या शहरांतून मुलींचे अेक स्वतंत्र कॉलेज आहे पण खेड्यापाड्यांत जेथे मुली थोड्या मागासलेल्या असतत, तेथे मुलींच्या शाळा मुलांच्या शाळांत जम केल्या गेल्या आहेत त्यामुलें मुली साळेत जमविल्या आहेत. माझ्याच दालुकरांत १०, १५ मुलींच्या शाळा मुलांच्या शाळेत जम करण्यांत आल्या आहेत. ज्या प्रमाणे निजामाच्या आणि निजामाच्या काळांत स्त्रीयांवर अन्याय झाला तसाच आजच्या लोकशाहीच्या काळांतहि झाला तर तो काही मुलींच सहन करणार नाही हें मला सांगायलाचें आहे. शिक्षण सात्त्याच्या अधिकार्यांनी

आणि शिक्षण मंत्र्यांनी गोष्ट ध्यानांत घ्यावी आणि काहीं तरी व्यवस्थित कार्यक्रम आखून स्त्रीशिक्षणावर जास्त भर दिला पाहिजे।

दुसरी गोष्ट मला अशी सांगायची आहे की सरकारने जास्तीतजास्त लक्ष माध्यमिक शिक्षणावर दिले आहे व बराचसा पैसा त्यावर खर्च केला आहे. माझी त्यांना विनंती आहे की त्यांनी प्राथमरी शिक्षणावर आतां करतात त्या पेक्षांही जास्त खर्च त्यांनी करवयास पाहिजे. तसेच त्यांनी स्त्रियांकडून शिक्षण फी घेता कामा नये. ज्या प्रमाणें मागासलेल्या लोकांसाठीं लाखो रुपयांचा फंड राखून ठेवला आहे त्याच प्रमाणें मुलींच्या शिक्षणा करतांही फंड राखून ठेवला पाहिजे व त्यातून मुलींच्या शाळांमध्ये विशेष मदत दिली पाहिजे. आम्ही येथे स्त्री प्रतिनिधी असल्यामुळे ह्या सर्व गोष्टी सरकारापुढे मांडणे आमचें कर्तव्य आहे. दिवसेंदिवस आर्थिक मंदी येत आहे, यामुळे पुरुषांच्या शिक्षणावर खर्च करणे सरकारला कठीण जात आहे तर स्त्री शिक्षणावर खर्च करणे कठीण जातील यांत शंका नाही पण तरीही स्त्री शिक्षणावर योग्य तो खर्च झाला पाहिजे अशी माझी सरकारला विनंती आहे.

आणखी एक महत्वाचा मुद्दा मला सरकारपुढे मांडायचा आहे तो असा की काल आम्हाला एक सरकारकडून पत्रक मिळाले आहे, त्यांत औद्योगिक शिक्षणाच्या संस्था सरकारने कोठे कोठे काढल्या हें दिलें आहे। मला त्यांत असे दिसले की त्या सर्व संस्था वरंगल मुशिराबाद वगैरे तेलंगणांतील भागांतच काढल्या आहेत, आणि त्यांतील अेकही संस्था मराठवाड्यांत काढलेली नाही. मराठवाड्याची जमीन जशी पाटबंधाऱ्याकरिता अयोग्य आहे असे तज्ञांनी सांगितलें आहे असें म्हटलें जाते तसेच कोण्या तज्ञाने सांगितले काय की मराठवाड्यांतील लोक औद्योगिक शिक्षणाकरिता अयोग्य आहेत। अेकही औद्योगिक शिक्षणाची शाळा मराठवाड्यांत खुघडल्यागेली नाही। पुढे तरी औद्योगिक शाळा खुघडण्याचा प्रश्न येतील तेव्हां मराठवाड्यांत त्या खुघडल्या जातील अशी आशा आहे।

तसेच अख्ख शिक्षणावरील होणारा खर्च कमी करून त्या शिक्षण संस्था लोकांच्या स्वाधी कराव्या व अुरलेला पैसा प्राथमरी शिक्षणावर खर्च करून प्राथमरी शिक्षणाचा विस्तार करावा आणि स्त्रीशिक्षणावर जें दुर्लक्ष होत आहे त्या कडे लक्ष देऊन त्यावरील खर्च वाढवावा अशी विनंती करून मी आपले भाषण पुरे करते।

ಶ್ರೀ. ಎಲ್. ಕೆ. ಪರಾಷರ್. (ರಾಯಚೂರ್ : ಅಧ್ಯಕ್ಷ ಮಹಾಶಯರೆ, ಈಗ ನಮ್ಮ ಮುಂದೆ ೧೯೫೪-೫೫ ನೇ ಇಸವಿಯ ಬಡ್ಜೆಟ್ ಬಂದಿದೆ....

*Mr. Deputy Speaker:* I think it is better if the hon. Member speaks in a language which the Finance Minister can understand.

*Shri L. K. Shroff:* Mr. Speaker, Sir, I have been hearing speeches made on the budget speech of the hon. Finance Minister and the budget proposals before us for the past two days and I have been observing that certain ideas and certain criticisms are being practically repeated every day and every hour. But the hon. members who have thought fit to make

those criticisms have not at the same time tried to understand what the aims and objects of the party in power have been all these years. It has been made clear time and again that our Government is committed to the policy of building up a welfare State in this country, and whatever steps are taken whatever policy is implemented, we have got to judge from that point of view.

Only yesterday we read in the newspapers that the expectation of life in this country has risen by six years. In 1941, it was considered that the expectation of life was 26 and something; today after the census of 1951 has been analysed it has been found that it is more than 32 years. Now, what is it that this thing shows? Does it not indicate that the measures that have been taken by the Central Government and the different State Governments have been responsible for raising this expectation of life in the country. And yet, hon. Members take pains to show that nothing has been done between these years for improving the health conditions of the people in our country. I am really surprised at this and I fail to understand the logic of their arguments. Again it is said that only 41% of the budget estimates are allotted for the nation-building departments. This is true, but is it not an improvement upon what had been allotted before? Last year it was 38%; this year it is 41%.

Hon. Members have complained that the cash balances are practically nil. Today only we have read in the press about the award of a Court in London regarding the Rs. 1.97 crores which the Government supposed was its own and probably thought would come back to them. This amount is not that of Government; it belongs to the Nizam and it is his private property. We have read in the press about the decision of a certain Court in England. So, we cannot expect that (1) crore (97) lacs to come to us. The cash balance, therefore, at the end of the next financial year will be just about 25 lakhs. In spite of such a precarious condition of finances, our Finance Minister has been able to allot something like 9 crores of rupees on capital expenditure. Is it not certainly a daring thing?

Hon. Members have complained that we live upon the support given to us by the Central Government. It is no doubt partly true. But really, whatever the Central Government is giving us in the form of subsidy and grant is partly, and I might even say, to a great extent, our legitimate due.

because many of the departments which were giving us a good source of income, for instance, railways, posts and telegraphs, customs, etc. have been taken away from us. We have therefore a right to expect that the Central Government will make up for the loss that we have had to incur on that account. Besides, according to the Five-Year Plan the Central Government has committed itself to giving us help that is necessary for its implementation. Hon. Leader of the Opposition said that the Five-Year Plan cannot be a success because there is no co-operation from the public. I do not know which part of the State he referred to when he made that statement; but I can speak from my own experience of my district which is granted a community project. There and in other parts of the district, people have come forward giving very enthusiastic support to the plan. Where wells have been estimated to be dug at a cost of Rs. 3,600 by the P.W.D., people have dug just at the cost of Rs. 200 to Rs. 700. In my own taluk of Raichur, 13 wells have been dug by the people at the cost of Rs. 200 to Rs. 750. That means the rest of the money that has been estimated by the Government has been met by the people in the form of labour, materials and other things. What does this signify? Does this mean that the people do not give co-operation at all? Certainly, not. In the Community Project area, 40 school-buildings are going to be constructed by the Government with the co-operation of the people. It is estimated that the people will contribute one-third of the total estimate; but I am sure taking the enthusiasm shown by the people in the rest of the district into consideration there will be greater contribution made by the people. To say, in these circumstances that there is no co-operation on the part of the public to implement the Five-Year Plan is to say something that cannot stand the test of examination.

Again, some hon. Members have thought it necessary at this time to criticise the education policy of the Government. They have said that the basic education is a fad and that when examined it is found to be useless and has not given any good result. One hon. Member even went to the extent of stretching his imagination and saying that though the Constitution clearly lays down that our State shall be a secular State we, Congressmen, are trying to encourage casteism and are also trying to introduce it by the back-door. I should have appreciated the stretching of the imagination of that hon. Member if it had not been perverted. To say that basic education introduces casteism is to show gross ignorance of the way in which basic education is functioning. I can quote

chapter and verse from different authorities on education but I am afraid I will take a very long time if I were to do so. I shall therefore just read out a line or two from the report of the Secondary Education Commission which had been appointed by the Central Government. I must in this connection say that no system of education whether it is basic education or any other system, can be said to be final. A certain system of education is introduced just at a certain period of the history of the country taking into consideration the requirements of the times. The basic education is found to be best suited for the country in the situation in which we have been placed at the present time. Our country, as members are aware, is a rural country and we live mostly in villages and if we want that our children in the villages should be educated, it is necessary that our children should take their education which centres round some vocation. Hence it is for that the basic system of education has been introduced.

I do not know whether the hon. Member who made the criticism did so because it emanated from the followers of the cult of non-violence, because I find that those who made the criticism against the basic system of education are people who are worshippers of violence. Great educationists have said that education and violence cannot go together. It is the very essence of education that the cult of non-violence should be inculcated and should be encouraged and so it was that the apostle of non-violence, the Father of the Nation, gave this system of education to our country which has been appreciated and applauded not only by the educationists of our own country but also by the educationists of other countries. I will not refer to the opinions given by the other people abroad. This is the latest report that we have got on the secondary education in our country. This Secondary Education Commission has studied the whole problem of education in this country from all points and has come to the conclusion that certain things are quite necessary for our children to develop. Here, at page 25 of the report, it is said :

“ Amongst the qualities which should be cultivated for this purpose are discipline, co-operation, social sensitiveness and tolerance ” .

They go on to show further on how it is necessary that the vocational efficiency of the students has got to be improved upon very much. On page 27, they say :

“ So far as the second major element in our national situation is concerned, we must concentrate on increasing the productive or technical and vocational efficiency of our students. This is not merely a matter of creating a new attitude to work an attitude that implies an appreciation of the dignity of all work, however ‘ lowly ’, a realisation that self-fulfilment and national prosperity are only possible through work in which every one must participate and a conviction that when our educated men take any piece of work in hand they will try to complete it as efficiently and artistically as their powers permit ” .

So it is that the creative instincts in our children have got to be developed. They have got to be roused and developed further. It is not necessary that all the crafts and all the arts that we can think of should be presented to them. It is enough even if one craft or if one art is there. Because in our country next to agriculture Weaving is the Rural Industry which feeds the largest number of people. Generally Weaving and Spinning are introduced as a craft in schools round which the education of the children is centred. There was a time when much stress was being laid on the Three R ’s— reading, writing and arthematic ; but now the three H ’s, are gaining importance, viz., the heart, the hand and the head. The basic system of education does not completely discard literary education. As a matter of fact, equal importance is given to it and yet one hon. Member said it is child labour. Well he appears to have studied laws on labour but misunderstood them. To dub a craft or an art taught to a child between the ages of 7 and 14 as child labour is, I suppose, something far-fetched.

I must congratulate the hon. Finance Minister and the Government for having taken immediate and speedy action when there were floods in the Godavari and when there was a famine in Marathwada and Karnataka areas. People were given immediate succour and the rigour of the sufferings of the people was mitigated to a great extent. But, in this connection, I would like to say that when certain relief works were undertaken under the Famine Code, people were given wages according to the Famine Code. This Code is in existence for the past thirty years or more. Probably in those days when the Famine Code was put on the statute book, it was considered sufficient to give a subsistence wage of 5 or 6 annas a day, but today to say that, wage would be sufficient is not to understand the situation that is obtaining.

I have seen in my own district when famine relief works were started both husband and wife, who worked from morning to evening, got only 11 annas O.S. for their labour. How can we expect a family consisting of a husband and wife and two or three children to fill their bellies and carry on their life with only 11 annas O.S. a day? When this matter was represented to the Government, it took shelter under the Act. When I suggested that the Famine Code should be modified, I was told that it was not necessary, because there are rules to do it. I am unable to understand all this. When the difficulties are placed before the Government, shelter is taken under the Act.

I would now like to speak about the Rajulibanda Division Scheme which is under construction. Practically more than half the work is over and now for the last two years there is a slackening of the work. We are told that there is one village on the other side of the Tungabhadra river, which is part of the Andhra State. The village will be submerged if the Anicut is completed. Since there has not been any understanding between the Andhra Government and our Government on the amount of compensation to be paid the work has slackened. I do not know why our Government should be putting off this matter for such a long time. 41 miles of the total length of 62 miles of the canal has already been completed. More than half the anicut is over just for the task of settling this simple problem of giving compensation to the people of one village on the other side of the river, the whole work is held up and the people of Raichur district, especially Raichur and Alampur taluks, are not being given the benefit of the money spent on this work by Government. I would request the Government, especially the P.W.D. Minister to take immediate and necessary steps to see that this handicap is removed and the work done very soon so that with the commencement of the rainy season this year, water may be let into the canal and the people would get the benefit. One more suggestion, I would like to make.....

(The bell was rung and the Dy. Speaker called on the next speaker).

شری گنپت راؤ واگھارے (دیگلور-محفوظ) مسٹر اسپیکر سر - چونکہ وقت کم ہے اسلئے میں اس بجٹ کے سلسلہ میں زیادہ دیر تک بحث کرنا نہیں چاہتا - ان امور کی جانب میں حکومت کو متوجہ کرونگا جن کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے صرف اس حد تک میں اپنے خیالات کا اظہار کرونگا - ہم دیکھ رہے ہیں کہ دو سال سے حکومت



جس طرح عمل کر رہی ہے جس طرح کار بند ہے اسکے کیا کیا اثرات عوام پر پڑ رہے ہیں اور اوس سے ملکی کس طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ حکومت یہ پرچہ سکتی ہے کہ عوام کا اسکے متعلق کیا خیال ہے۔ باوجود اسکے کہ دو سال سے اپوزیشن بنچس کی جانب سے مختلف نمائندوں کی جانب سے حکومت کی ترجیح ایسے امور کی جانب مبذول کرائی جاتی رہی ہے جنکی طرف اسکو متوجہ ہونا چاہئے لیکن حکومت کی جانب سے کوئی اقدام ایسا نہیں کیا گیا کوئی قدم ایسا نہیں اٹھایا گیا جس سے خرابیوں کے دور ہونے کا اسکا پیدا ہو سکے۔ آج حکومت نے ہمارے سامنے جو موازنہ پیش کیا ہے اس میں ایک کروڑ سے زائد کا خسارہ ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ اس بارے میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ آخر بجٹ میں خسارہ کیوں ہے۔ اور بجٹ سربلس (Surplus) ہے تو کیوں ہے۔ جب ہم ملک میں امن و امان کے ساتھ عوامی تعاون کے ساتھ کام کرتے ہیں تو اسکا اثر لازماً یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے ملک میں محنت کے ساتھ دولت کا اضافہ ہو۔ خرش حالی میں اضافہ ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج خسارہ پایا جا رہا ہے۔ اس سے ہمکو یہ نتیجہ لازماً اخذ کرنا پڑتا ہے کہ حکومت کی کچھ نہ کچھ لاپرواہی ہے۔ حکومت کی ترجیح اس جانب نہیں ہے جو عوامی ضروریات ہیں۔ میں مثال کے طور پر کہوں گا۔ ممکن ہے کہ آج اس وجہ سے حکومت کے موازنہ میں خسارہ ہو رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں کی منسٹری میں منسٹرس کی بستر بندی بہت ہوئی ہے۔ کیا اسی وجہ سے بجٹ میں خسارہ پایا جا رہا ہے۔ ان تمام بستر بندیوں اور بستروں کے پینلاؤ میں جو ناگہانی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں ان چیزوں کی وجہ سے ہمارے منسٹروں کو عوامی مسائل کی جانب متوجہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔ شاید اس وجہ سے کچھ کوتاہی ہوئی ہے۔ ایسی ناگہانی چیزیں جو حکومت پیدا کر رہی ہے اسکے بارے میں اپنی ایک تقریر میں فینانس منسٹر صاحب نے کہا کہ ہمارے گھروں میں جو چیزیں چلتی ہیں اسکا دوسروں کو پتہ کیسے چلتا ہے جبکہ ہمکو خود معلوم نہیں ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ ممکن ہے آپکو معلوم نہ ہو لیکن دنیا جانتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مثال دوں گا کہ بلی آنکھیں بند کر کے دودھ پیتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ اوشے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے لیکن دیکھنے والا اسکا کیا حشر کرتا ہے آپکو معلوم ہے۔ چوری سے دودھ پینے والی بلی کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے سب جانتے ہیں۔ اگر ہماری حکومت اس طرح سے اپنے عیوب کو چھپانے کی کوشش کرے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کو عوام کے سامنے جوابدہ ہونا پڑیگا۔ اور عوام کا فریضہ ہوگا کہ وہ اسکو درست کرے۔

ایک اور چیز کی جانب میں حکومت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ عوامی حکومت کو جس طرح قدم اٹھانا چاہئے اس طرح کی آج تک ہم نے کوئی چیز نہیں پائی ہے۔ وہی پرانا سسٹم (System) وہی پرانی روایات جو پہلے سے چلی آرہی ہیں ان ہی کو صاف کر کے یہاں پیش کیا جاتا ہے جو فرق گورنمنٹ کی مشینری میں

عوامی حکومت کے آنے کی وجہ سے پیدا ہونا چاہئے تھا وہ اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ خاص طور پر میں کہہونگا کہ اضلاع اور تعلقوں میں جو حکومت کے نیچے کے ادھیکاری ہیں ان میں جو نظم و ضبط ہونا چاہئے جس ڈھنگ سے عوام کے ساتھ انہیں تعاون کرنا چاہئے اوس مشنری میں جس قسم کی محبت کا جذبہ ہونا چاہئے اور انکی کارگزاری جیسی ہونی چاہئے ویسی نہیں ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حکومت کی توجہ مطلق اپنی مشنری کی جانب نہیں ہے۔ اور نہ حکومت کی مشنری کا کوئی اثر ہے۔ ان امور کی جانب ہماری حکومت کوئی توجہ نہیں کرتی۔ اسکے ساتھ ساتھ میں یہ بھی کہہونگا کہ ایک آنریبل ممبر نے سر مرزا اسماعیل کا ذکر کیا تھا کہ انہوں نے نظم و ضبط کی مثال قائم کی تھی۔ جسوقت میں کانگریس میں تھا میں نے مشورہ دیا تھا کہ کس طرح حکومت کے کارندوں میں اس قسم کے جذبات پیدا کئے جاسکتے ہیں جیسا کہ سر مرزا اسماعیل نے کیا۔ واقعی ایک طریقہ ہوتا ہے برائیوں کو نکال دینے کا۔ ایسی چیزیں پیدا کی جاسکتی ہیں جس سے عوام میں اور گورنمنٹ کے کارندوں میں یکجائی پیدا ہو اور اس سے اچھی چیزیں ہو سکتی ہیں۔

ایک اور چیز میں یہ عرض کرونگا کہ عوامی حکومت کے قیام کے بعد سے اوٹ محنت کش عوام کے لئے جنکی محنت سے ملک سرسبز ہوتا ہے اس بھٹ میں کوئی خاص گنجائشیں نہیں فراہم کی گئی ہیں۔ کچھ گنجائشیں رکھی تو جاتی ہیں لیکن انکو صرف نہیں کیا جاتا اور وہ گنجائشیں ختم سال پر لیا پس (Lapse) ہو جاتی ہیں۔ گزشتہ سال ۲۰ لاکھ روپیہ ہریجنوں کے لئے رکھا گیا تھا لیکن دو لاکھ کے قریب اس میں سے صرف ہریجنوں کے لئے رکھ لیا پس ہو گئی۔ عوامی حکومت کا تو فرض یہ ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ رقوم عوام پر صرف کرے جنکی وجہ سے حکومت کی ٹھہوریاں بھرتی ہیں۔ ایسی صورت میں لازمی طور پر اوسی محنت کش طبقے کے لئے ایسے مواقع فراہم کرنا چاہئے جسکی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ محنت کی جانب مائل ہریسکیں اور ملک کی دولت میں اضافے کا سبب بن سکیں۔

میں زیادہ عرض نہ کرتے ہوئے ڈپارٹمنٹس کی چنا چیزوں پر تنقید کروں تو نامناسب نہوگا۔ ہماری پولیس کا یہ حال ہے کہ گورنمنٹ میں عوامی وزراء کو دیکھ کر انکا دماغ بڑھ چڑھ گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک عورت کو مرد بنا سکتے ہیں اور ایک مرد کو عورت۔ محکمہ مال کی یہ حالت ہے کہ اگر خوشامد برآمد کر کے کچھ کام نکال لیا گیا تو خیر۔ ورنہ کام نکلنا مشکل ہے۔ ایسے کاموں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی جن سے عوام کو فائدہ ہے۔ جو اوپر سے حکم آتا ہے اسکی تعمیل میں بیجا پیسہ خرچ کیا جاتا ہے لیکن عوام کو فائدہ نہیں پہنچتا میں مثال کے طور پر کہہونگا کہ حکومت نے ہاؤزنگ سوسائٹی (Housing society) کے لئے تین لاکھ روپیہ فراہم کئے۔

لیکن ان افسروں کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ جب اتنا کمپنیشن (Compensations) مہیا کیا گیا ہے اور یہ لکھا گیا ہے کہ۔

“ In this connection, I may inform you to deposit the amount towards meeting the compensation in the Tahsildar's office, Nanded, within fifteen days of receipt of this memorandum, failing which no action will be taken in this connection ”.

توسیع آبادی کے سلسلے میں ۹ - ۱۰ سال کی کارروائی میں یہ کہا جاتا ہے - اس طرح کے کمپنیشن مہیا کرنے کے بارے میں حکومت گیارٹی دیتی ہے - اسی کے لئے حکومت بجٹ فراہم کرتی ہے - لیکن کس طرح لوگوں کی مدد کی جاتی ہے کس طرح لوگوں کا کام انجام دیا جاتا ہے اس کے لئے ۳ لاکھ کا بجٹ فراہم کیا گیا ہے - لیکن حکومت کے کارندوں کو اس کا علم نہونے کی وجہ سے اس طرح عمل ہوتا ہے - جہاں رشوت چلتی ہے وہاں تو کارروائی فوراً بن جاتی ہے - لچے لفنگوں کے سلسلے میں احکامات جاری ہوتے ہیں لیکن جو لوگ مہینوں سے کوشش کر رہے ہیں گورنمنٹ کی مشنری کی خرابی کی وجہ سے ان پر کوئی توجہ نہیں ہوتی - اسی طرح جنگلات کے لوگ بھی پریشان کرتے ہیں - جہاں گھاس تک نہیں آگ سکتی وہ علاقہ افراسٹیشن ( Afforestation ) کے لئے لیا جاتا ہے - اور بلا وجہ صوفہ کیا جاتا ہے - جنگلات کے پلاننگ آفیسر راک لینڈس ( Rocky lards ) اپنی مصلحت کی خاطر افراسٹیشن کے لئے اکوائیر ( Acquire ) کرتے ہیں - اور عوام کو جنگلات پٹی دیتے ہیں - میں موضع چکلہ کا ایک قصہ سناتا ہوں - وہاں چیف کنزرویٹر فارسٹس سے متعلق آنریبل منسٹر آف فارسٹس کے پاس ریپریزنٹیشن کیا گیا جس پر تحقیقات ہو رہی ہے - وہاں ۱۰ سال سے جو لوگ کاشت کرتے چلے آ رہے ہیں ان کی زمینات افراسٹیشن کے ضمن میں اکوائیر کرنے کی نوٹس دی گئی ہیں - عوام سمجھانے کے باوجود محکمہ اپنی غلطی پر اڑا رہتا ہے - تحقیقات میں وہ چیز حکومت کے سامنے آئیگی - عوام کے مفاد کا کوئی تحفظ نہیں کیا جاتا -

دوسری چیزیں یہ عرض کرونگا کہ ملک کی ہلتھ ( Health ) بڑھانے کے لئے تو اسقدر پرچار کیا جاتا ہے لیکن آبکاری کے سلسلے میں اس پر توجہ نہیں دی جاتی - ملک کا ایک غریب طبقہ اپنی دن بھر کی تھکن اتارنے کے لئے اس کو استعمال کرتا ہے - لیکن آبکاری میں جا بجا کلوروفارم اور ایسی ہی دوسری نقصان دہ چیزیں ملائی جاتی ہیں جسکی وجہ سے اسکو استعمال کرنے والے لوگ بیماروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں - جب عہدہ داران مجاز کے پاس یہ بات پہنچائی جاتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا کڑی مستاجر پریشان ہے اس نے بڑھ چڑھ کر معاملہ حاصل کیا ہے - اگر ایسے جوابات ملیں تو اسکی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے -

سوشل سروس ڈپارٹمنٹ کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اس کے ادھیکاریوں کو اپنے آفس کے رکھ رکھاؤ سے ہی فرصت نہیں ہوتی - وہ اپنے آپ کو گریڈ ایسڈ یا ڈپٹی کلکٹر ہی سمجھتے رہتے ہیں - اور اس تصور سے اپنے آپ کو ایک انج ہٹے نہیں

دیتے - ایسے لوگوں سے سوشل سروس کیا ہو سکتی ہے - وہ کیا خدمت کر سکتے ہیں - ان کی اصلاح ہونی چاہئے -

اتنا کہتے ہوئے میں حکومت سے اصرار کرونگا کہ وہ ان چند باتوں کی جانب رجحان دے - جن لوگوں کے لئے بجٹ میں گنجائش فراہم کی جاتی ہے انہیں اس گنجائش سے استفادہ کا موقع فراہم کرے - اور انکے کاروبار میں زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائے - اور حکومت کرنے والے بھی اپنے دیگر کاروبار اور بالیشکس کو دور رکھ کر اس جانب توجہ دین تو مجھے یقین ہے کہ اسی صورت میں ملک کو مسنفید کیا جاسکتا ہے۔

The House then adjourned for recess till Forty Minutes past Five of the Clock.

The House re-assembled after recess at Forty Minutes past Five of the Clock.

[MR. DEPUTY SPEAKER IN THE CHAIR]

*Shri K. R. Veeraswamy* (Kalvakurty-Reserved) : Mr. Speaker, Sir, I do not want to tread the beaten track as other comrades of mine have done, calling the budget 'a Jagirdar Budget' or 'a Capitalist Budget' or other names. I do not want to give it titles before I examine the budget from certain canons of financial propriety. Therefore, I wish to put before the Assembly certain criteria for judging the budget.

First of all, we should see whether the Budget presents any financial stability and financial soundness, whether the budget is leading to greater production and giving to the people greater purchasing power. We should also see whether it is creating new demands on the people and whether it is going to raise the standard of living of the people. We have to judge the budget from these angles before we offer our criticisms. As the time given to me is very short—it is only 15 minutes—I will not be in a position to criticise or even analyse a single aspect of the budget. Therefore, I want to confine myself to two criteria which I have already placed before the House and from which I want to judge the budget.

We have to see the financial stability of the budget. Even last year, we knew, there was a deficit in the budget. It was to the tune of 1.52 crores. Even now on Revenue Account we have a deficit of about 1.06 crores ; in the Capital Account also we have got some deficit. We have got an over-all deficit of nearly 2½ crores in the present budget. From this, we see that the budgets which have been presented in

this House have got a tradition of deficit in them. If we proceed further, we can see the further instability in the Budget, *i.e.*, there is about Rs. 16.6 crores deficit under the head 'Planning'. Of course, democratic planning is not for the immediate present, but for the future. Even if we judge it from the future point of view we see that the Planning budget has got a deficit of Rs. 16.6 crores. If we look at the cash balances, we see—it is given somewhere—that it is 3.3 crores and ultimately if we subtract it from the balances which we have to get from the London Banks it comes to about Rs. 1½ crores. Thus, the cash balances are dwindling. Even the reserves are only about 52.8 crores. Soon after the Police Action, the reserves were something like 110 crores. We do not know what has happened to that Rs. 110 crores. Now, hardly four years after the Police Action we see that it has dwindled down to about half the amount. No reasons seem to have been stated in the Assembly for the dwindling of these reserves. Perhaps most of the Members of this Assembly are not aware of the fact that we had a reserve of nearly Rs. 110 crores. From these angles of financial instability we can say that the budget has not got the soundness which it ought to have.

Coming to the various aspects of the Budget, as hon. Members know, ours is a growing and an expanding economy and as such we should not be afraid of any deficit in our budget. Even the budget of the Central Government has a deficit to the extent of about 26 crores. Deficit in a budget is not a defect in itself. We are in an era of planned economy with so many national extension schemes, developmental schemes and social service schemes. We have to see in the circumstances whether the resources of the State are being properly husbanded and resources as are properly spent on these various schemes and whether the expenditure on the top-heavy administration has been lessened to any appreciable extent. Judged from these angles, we come to the conclusion that the budget, deficit as it is, not promising in that no benefits are conferred on the common man. Though we are spending lots of money on capital expenditure, developmental expenditure and social services, the money spent has not gone to the advantage of the poor man. His purchasing power has not increased in any way.

Analysing the various aspects of our budget, many of the hon. Members have criticised the budget but they have not been in a position to point out how the deficit could be made

good. I would like to take up the sales-tax collections in this context. Last year we expected about Rs. 3 crores of realisations through the sales-tax but the Government were not in a position to collect that much. About 50 lakhs deficit they got last year. Even now, the same thing seems to have been repeated. We know without sales-tax we will not be in a position to meet out deficit in the budget. In Madras, before it was divided, it was having a sales tax of 22 crores of rupees. No doubt it was developed gradually in the course of about 15 to 16 years. But here in Hyderabad, we were having already sales-tax on luxuries, but, in spite of our experience for the last three years, it is really very strange that we are not in a position to have a good sales tax income. What then are the reasons that go to give us this deficit? If we analyse the deficiencies or defects in the sales-tax, administration we will come to know the truth about it. We have got a sales-tax based or modelled upon the Madras Sales-Tax Act: it is a multi-point sales-tax; whereas we are administering it on the Bombay Sales-tax model, i.e., single-point. That is, we have got a multi-point sales-tax, whereas the administration is single-point sales-tax. There is that anomaly.

If we properly control the sales-tax department and had the sales-tax department been properly functioning. I think we would have got something more than 3 crores. There are many leakages in the administration: as I said, we have got a multi-point sales-tax but the administration is single-point tax based upon the Bombay model. Next, there are not enough officers to collect the sales-tax as in Madras, where, for every district, there is a sales tax officer, under him a D.C.T.O., and next to him a T.C.O. and lower down a Dy. T.C.O. and so on. Thus one will find "intensity" in the administrative machinery, whereas in Hyderabad, on account of administration based on single-point sales-tax, so much tax is being evaded. There is not that intensity of collection of sales-tax in every taluq as it ought to be. Many mondas in the districts have not been paying the tax. The hon. the Finance Minister should take note of this. As we are having the sales tax based on multi-point system, if we try to have also multi-point tax administration, I think we will be able to get more than 4 crores of rupees in our State by way of sales-tax. I wish therefore to bring to the notice of the hon. Finance Minister that he should look into the defects in the administration of the sales-tax and set right the matters, because our economy is growing and expanding, whereas our financial re-

sources are being contracted. Therefore, if we do not mobilise our own resources they will dwindle in no time and we will be faced with a big gap and the administration may have to come to a standstill. Therefore, I warn the Government that if the present system of sales tax administration were to continue there will be not only dwindling of the present sales-tax collections but a time may come when on account of the several lacunae in the system there may be very huge deficit. Another point I wish to bring to the notice of the Finance Minister in this connection is that many a person taxed by the authorities goes to the higher officers in the department for tax remission. People go and approach higher authorities and say 'you should exempt us this time, next time we will pay' Many remissions in the sales-tax are taking place at the higher level and the hon. Finance Minister should try to know about this. We should not exempt anybody from sales tax because sales-tax, I feel is the only source left to us to fill up our gap for the expanding economy.

Now coming to the anti-corruption department, an anti-corruption Committee has been set up by the Government sometime ago. Its report is perhaps in the offing. The report has not yet come before the House. But one thing I am going to tell is that any report, if it is not implemented, is not going to do good for anybody, whether for the Members of the House or the general public. The report that may be submitted by the Committee should be implemented in all seriousness. The general opinion of the public with regard to corruption in the various departments is that people eat but they do not do any work. They say "at least in the past regime people indulged in corruption but they did this duty to the people," but now they say they find even in this democratic set, up, "governmental authorities and officers eat enough of money and indulge in corruption but do not do an iota of work which the former officials were doing," they say this, not with a view to criticise, but in all earnestness and that is the summum bonum of the opinion of the general public that these people eat but do not do any work. Therefore, we have to root out this corruption even by ruthless means because we have to evolve a kind of honesty and integrity among the officers. If the officers are not honest, nothing could be done. Ministers will evolve policy and if the policies of the Government are not properly implemented by their officers, the entire Governmental machinery will come to a standstill and the work of the public suffers. Therefore, anti-corruption measures must be implemented and whoever be found guilty must be punished.

In this connection I wish to submit to the House that the rules governing the properties of the officials must be implemented. It may be strange if I say that if the property regulations concerning the officers are not properly implemented, we may not be afraid about deficits. We can get more than 15 to 20 crores from the pockets of these officials. I do not mean any official in particular but if the Government looks into the matter and implement the property regulations, I think it can easily confiscate so much hoarded properties of these officials and get enough money for their administration. What I mean to say is that there should be proper check on the officers and with proper check corruption can be brought this down and greater work can be obtained.

In a certain paragraph of the budget I find that the Government is intending to open a paper mill. When they had a paper mill already they transferred it to some people on the ground of inability to run it, where does the necessity arise now to open another paper mill. I am unable to understand this contradiction in the budget.

Another feature I find in the budget is the allotment made to the Harijans. As a matter of fact, the Harijans are nearly 34 lakhs of people. But what is the provision kept for them? 10 lakhs. At what percentage does this work out? When this is the attitude shown to the Harijans, the down trodden classes of the country, by the Government, one could easily conceive what is the deficiency in the budget and whether the budget as framed would inspire in the common man any confidence about his amelioration. In Madras before it was undivided, it allotted about 104 lakhs for the Harijan welfare and even now I see in the present budget of the divided Madras State the same amount being allotted. Even the Andhra State which has recently come into being also set apart a separate fund for the Harijan welfare, nearly 50 lakhs of rupees. Cannot we do that much in our State? When the Razakar Government whom we replaced could give one crore of rupees, how is it that our own democratic and popular Government could not allot a better provision in the budget for the down trodden people.

Another thing I wish to point out is.....

*Mr. Deputy Speaker* : Time is over.

*Shri K. R. Veeraswamy* : I shall finish in a minute or two. 8.86 lakhs has been provided to the Harijans under the



Social Service Department. That department has not got any work to do except this work. The money is merely spent on the administration and all the money is being spent on the officials. There is no other provision left for them. Last year some amount was provided for the Social Service Department; but I have to say with consternation that scandals have taken place in that department. I request the hon. Finance Minister to institute a commission of enquiry into the department and see how the amount allotted has been spent. When the amount has been set apart, as we are told, for sinking wells and acquiring house-sites and constructing houses for the harijans, I have to say that hardly few wells have been dug, few houses constructed and few house-sites acquired. We do not know how this amount of 6.86 lakhs has been spent. When the Backward Classes Commission visited Hyderabad, I have submitted a report about the state of affairs obtaining in the Social Service Department before that Commission.

Another point I wish to submit is about the leakages in the Excise Department. In 1952 there were somewhere about 83 lakhs fall in the excise revenue and this year somewhere about 93 lakhs of rupees. Some people may say that this is due to the felling of Sendhi and other trees year by year. As a matter of fact I would say that the reasons for the declining revenue under excise is not that Sendhi trees are felled, but because the amount is simply being eaten away by most of the lower officers in the Excise Department. The hon. Finance Minister will do well to institute a commission to enquire into this matter also to find out how far there is a deficiency or fall in the excise duties and the reasons for it.

I will now deal with the Community Projects. During the course of 3 years, more than 50 to 60 lakhs of rupees have been spent. Overnight schemes are evolved and executed. It is really un-understandable how schemes are evolved in this fashion. If we go into this matter also, we will find that there are leakages taking place. Now, Hyderabad has been allotted 46 Blocks and in future we will be spending 322 lakhs of rupees in these Community Projects. Therefore, the Government has to be very cautious in spending the amount and see that leakages do not occur and the amount is properly spent in the project areas and the common man is benefitted.

I have pointed out the various defects in the budget. The final conclusion I arrive at is that though the budget has been

presented with a spirit to do some service to the common man, that purpose does not appear to have been served because of the various defects contained in it. The budget contains no good feature to inspire the common man.

శ్రీ పెండెం వాసుదేవ్ :

అధ్యక్షమహాశయ,

ఈ ౧౯౫౩-౫౪ సంవత్సరం ఆదాయం వ్యయ పట్టికను చూచిన తరువాత మొత్తంపైలే నేమి, లేక ఈ ఆదాయ వ్యయ పట్టికను చూచి సంతృప్తి పడేవారందరూ అంటున్నదేమంటే “ఈ వామపక్షాల వాళ్ళందరకు ఒకే అలవాటు, దీనిని జాగ్రద్ధి బడ్జెటనో, జమిందారీ బడ్జెటనో లేక దేశాన్ని పూర్తిగా దివాళాస్థితికి తీసుకు వచ్చే బడ్జెటనో అనడం అలవాటై పోయిందని” అంటున్నారు. వాస్తవానికి ఇది ఎటువంటి ఆదాయ వ్యయ పట్టికో నిన్ను యివ్వాలి ఇక్కడ యిస్తున్న ఉపన్యాసాలను వింటే సులభంగా తెలిసిపోతుంది. ఈ రెండుమూడు సంవత్సరాలనుంచి బడ్జెటును వామపక్షాలవారందరూ యిక్కడ ప్రతి తడవ విమర్శిస్తూ, ప్రతిసంవత్సరం దానిని వ్యతిరేకిస్తూ వచ్చారు. నిన్న ఇవ్వాలి ఇక్కడ చూస్తే ప్రభుత్వపక్షముయొక్క అంటే కాంగ్రెసుపార్టీ సభ్యులు నిన్న యివ్వాలి మాట్లాడిన వారీలో అధిక సంఖ్యాకులు ఈ ఆదాయ వ్యయ పట్టికను పూర్తిగా వ్యతిరేకించినవారు, కొందరు వారికి ఏమిటాగాలు అవకతవకలుగా కనబడ్డాయో ఆ శాఖలవరకు, అనగా ప్రజల జీవితానికి ఏమేమి అపాయకరంగా కనబడ్డాయో, అటువంటివాటిపై విమర్శించి ప్రబుత్వాన్ని ఖచ్చితంగా విమర్శించారు. అంటే ఈ రెండు సంవత్సరముల పరిపాలన తరువాత ఈ బూర్జుల రామకృష్ణారావుగారి ప్రభుత్వం చివరకు కాంగ్రెసు పక్షాన ఉన్న సభ్యులయొక్క విమర్శకు కూడా గురీకావలసి వచ్చిందే అన్నమాట. ఈ విధంగా ప్రభుత్వ పక్ష సభ్యుల విమర్శలకు గురీకావడం చూస్తే, ఈ ఆదాయ వ్యయ పట్టిక ఎంత అధ్వాన్నంగా వున్నదీ తెలిసిపోతుంది. అది ప్రజలయొక్క సమస్యలను ఏమాత్రం పరిష్కరించ లేకుండా రాను రాను ఆర్థిక పరిస్థితులు దీగజారేపోయి, నిజాంకాలంలోని పరిపాలన పరిస్థితులలోకి చేశాన్ని తీసుకురావడం జరుగుతోంది. పెదరాబాదు సంస్థానానికి గత అయిదు, పది సంవత్సరాలలో ఎంతో చరిత్ర వున్నది. ఎన్నో మార్పులు వచ్చాయి. ఈ ప్రభుత్వానికి ముందు ఒక ప్రభుత్వముండేది. దానికి ముందు మిలిటరీ ప్రభుత్వముండేది. దానికన్నా ముందు భజాకార్ల ప్రభుత్వముండేది. ఈ విధంగా ఒకదాని తరువాత మరొకటి ప్రభుత్వాలు మారుతూ రావడం మనం చూస్తూ వచ్చాం. అయితే ప్రజా ప్రభుత్వమని చెప్పకొనే యీ కాంగ్రెసు ప్రభుత్వం యిదేవరకు ప్రభుత్వాలకన్నా, చాలా మంచిదని, మెరుగైనదని, అంటున్నారు. అధిక సంఖ్యాకులైన ప్రజలచే ఎన్నుకొనబడి పరిపాలన చేస్తున్నారనేది కొంతవరకు వాస్తవమే. కానీ ఆ నాటి చరిత్ర ఈ నాటి చరిత్ర పోల్చి చూస్తే, అనగా ప్రజలయొక్క సమస్యలు—రాజీయమైనవిగానీ, సాంఘికంగా గానీ, ఆర్థికమైన సమస్యలు గానీ ప్రజలయొక్క ఆ నాటి చరిత్ర, యీనాటి చరిత్ర పోల్చి చూసి, ఏమైనా మార్పు వచ్చిందో అనే విషయం ఈ ఆదాయ వ్యయ పట్టికలను చూస్తే తెలిసిపోతుంది. ఒక ఉదాహరణ చెబుతాను. బ్రిటన్ సామాజిక వాదుల చెప్పేటట్లా తర్ఫీదుచేస్తే జమిందార్ల జాగీర్ల పరిపాలనకు అండగా వుండే, ప్రజల సమస్యలకు దూరంగా వుండే, వారి సమస్యలపై సాగించుకొనేందుకు తయారుచేసుకొన్న కిలుకలన్నీ, వారి సమస్యల

లయినటువంటి ఉన్నతోద్యోగులే యీ నాడుకూడా బడ్జెటును తయారు చేస్తున్నారు. ప్రజా ప్రభుత్వమని పేరు పెట్టుకొని కాంగ్రెసు ప్రభుత్వం వచ్చింది. కాని ఆ నాడు నిజాంకాలంలో వున్న శెక్రటరీలే ఈ నాటి ప్రభుత్వ పరిపాలనలోనూ వున్నారు. వారు ప్రజల సమస్యలకు దూరముగా వుంటూ, ప్రజలలో ఏలాంటి సంబంధం లేకుండా, ప్రజలను అణగదొక్కుగల సూత్రాలు, సూక్తులు యిచ్చేవారే యీనాడు కూడా వున్నారు. మనకు ప్రజాప్రభుత్వం వచ్చిందని అనుకొంటున్నాము. కాని ఆ శెక్రటరీయట్ స్టాఫ్లో ఎటువంటి మార్పులైనా తెచ్చారా అంటే ఏలాంటి మార్పులు తోలేదు. కాబట్టి ఆ నాటి వారీయొక్క సూత్రాల సూచనలు తీసుకొని ఈ ఆదాయవ్యయ పట్టికను తయారు చేయడం వలన ప్రజల సమస్యలను పరిష్కరించ లేకపోవడం జరుగుతోంది. కాబట్టి అటువంటి ఉన్నతోద్యోగులు తయారు చేసినటువంటి బడ్జెటు ప్రజలయొక్క సమస్యలను ఏ విధముగా తీర్చగలదో మంత్రులే నెలవివ్వాలి. అంటే వాళ్ళను తీసివేయాలనే సమస్య కాదు. మనము కూడా రాను రాను రాజకీయ జీవితమునకు అలవాటై, ప్రజలలో మార్పులను దృష్టిలో పెట్టుకొని నడిచేందుకు ప్రయత్నము చేస్తున్నాము. కాబట్టి శెక్రటరీయట్ ఉద్యోగులకు కూడా ప్రజల సమస్యలతో సన్నిహిత సంబంధం వుండాలి. ఏ విధముగా ప్రజల సమస్యలను పరిష్కరించడమనేది ఆలోచించాలి. మీలో ఏవైతే జాతీయ భావాలన్నవో, వారిలోకూడా ఆ భావాలను కలుగ జేయాలి. ప్రజల ఆర్థిక సమస్యలను పరిష్కరించేందుకు ముందుకు రావాలని వాళ్ళలో చైతన్యం కల్గించ గలిగారా? నెలకు మూడువేల రూపాయల జీతములో, దేశము తలకిందులైనా ఒక రాగి దుడ్డు అయినా తక్కువ తీసుకోరు. యివ్వాలి ప్రభుత్వం కాలితోనేమి? ప్రజలు నాశనమై ధగ్గున మండితే వారికేమి? వారికి ప్రజలతో సంబంధం లేదు. ప్రజల సమస్యలలోనూ సంబంధం లేదు. నెలకు పేతనం మూడువేలూ తీసుకుంటారు. అటువంటివారిలో జాతీయభావములు కల్గించడానికి మీరేమైనా ప్రయత్నము చేశారా? ఆ నాటి జాగీర్దార్ ప్రభుత్వంలో వుండే అటువంటి సలహాదార్లను ఈ నాడుకూడా వుంచుకొని ప్రజా బడ్జెటు, ప్రజల సమస్యలు తీర్చగల బడ్జెటును తయారు చేయడమనేది లక్ష్యాకరమైన విషయం.

شری رام راؤ اور گانگوانکر (گیورائی) سسٹر اسپیکر سر- کیا یہاں اخبار پڑھنے کی اجازت ہے۔

سسٹر ڈپٹی اسپیکر - یہاں کسی کو اخبار پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

శ్రీ పెండె వాసుదేవ్ : దానితరువాత యిక్కడ యింకొక విషయం చూస్తున్నాము. కాంగ్రెసు పక్షంలో బ్రహ్మాండమైన రాజకీయ సంక్షోభం బయలు దేరింది. వాళ్ళలో చీలికలు వచ్చాయి. గిట్టనివారు, స్వార్థపరులు ఏమంటున్నారంటే ఏదో పదవులకు ఆశించి చీలికలు తెచ్చారని, ఏదో లోచిన ముక్కలు అనిపేయడం జరుగుతోంది. అదీకాదు. వాస్తవానికి ఆ దేశభక్తులు దేశములోని సమస్యలను అర్థము చేసుకొని ఒక అడుగు ముందుకు వేయడం జరుగుతోంది. వారు ఆ విధంగా అధికారమును చేతుల్లో పెట్టుకొని యిప్పుడు వచ్చినట్లు ప్రవర్తించకుండా, ఒక అడుగు ముందుకు వేస్తూంటే కనిపిక్షణ చర్య వేరుపెట్టి, ఏదో ఖేదించుట చేరవలసింది. తీసుకు వచ్చి వాళ్ళ నోటికి తాళంపేయ ప్రయత్నించడం సహించరాని విషయం. కాంగ్రెసులోని దేశభక్తులు ముందుకు రావడం జరుగుతోంది. కాంగ్రెసు ప్రభుత్వము దీని దీనిమూ

ప్రజలచేత, చివరకు అటుపై పున పున్న గౌరవ సభ్యులచేత కూడా ఏ విధంగా అసహ్యించుకొన బడుతోందో చూస్తే, యీ బడ్జెటుయొక్క పనికీరాని స్వరూపానికి అదొక నిదర్శనముగా భావిస్తున్నాను. ప్రతి సంవత్సరము ఈ ఆదాయవ్యయపట్టిక ఒక లావాంటి పుస్తకం యివ్వడం జరుగుతోంది. ఈ సంవత్సరం కూడా యిచ్చారు. దీనిలో మూడు పుస్తకాలు ముట్టాయి. ఈ మూడు సంవత్సరముల నుంచి యివ్వబడ్డ పుస్తకాలను చూస్తే ప్రతి సంవత్సరము, పోలీసు శాఖ విషయంలో కొంత డబ్బు కేటాయించడం, ఆరోగ్యశాఖ విషయంలో కొంత కేటాయించడం వ్యవసాయశాఖ విషయంలో కొంత కేటాయించడం, విద్యాశాఖ విషయంలో కొంత కేటాయించడం, జరుగుతోంది.....

శ్రీమతి సంగం లక్ష్మీబాయి : విద్యాశాఖలో పెరిగింది.

శ్రీ పెండెం వాసుదేవ్ : ఆ మూడు రాబట్టే-దాని తరువాత సంవత్సరం కొనవరకు విద్యాశాఖనుంచి కొంత, ఆరోగ్యశాఖనుంచి కొంత, పరిశ్రమభివృద్ధి శాఖనుంచి కొంత డబ్బు మిగల్చటం జరుగుతోంది. బయట ప్రపంచానికి మాత్రం పోలీసు ఖర్చు తగ్గిస్తున్నామని చెబుతున్నారు. ఇప్పుడే విద్యాశాఖ డివ మంత్రిగారి విద్యాశాఖకు ఎక్కువ చేతామని నెల విస్తున్నారు. ఇవాళ దానిలో ౧౦ ఎక్కువ చూపించి, రేపు అందులోనుంచి ౭ మాత్రమే ఖర్చు పెడతారు. ఎందుచేతనంటే ఈ రెండు సంవత్సరముల అనుభవములో మేము చూశాము. గత ౫౧-౫౨, ౫౩ సంవత్సరాలలో చేసినదేమంటే, వివిధ శాఖలలో డబ్బును చూపించి తరువాత ఆ డబ్బును మిగిల్చి పోలీసుకు డివయోగించారు. గత రెండు సంవత్సరములలో అదే విధముగా చేశారు. వాటి తెఖలు మీముందు చూపెడితే అనగా ఏమీ శాఖలలో ఎంతెంత ముందు ఈ శాసన సభలో చూపించి, తరువాత ఆ డబ్బును మిగిల్చి చివరకు పోలీసు శాఖలో ఏ విధంగా అదనంగా ఖర్చు పెడుతున్నారో చూస్తే అర్థమౌతుంది. ౧౯౫౧-౫౨ సం. లో పోలీసు శాఖ అంచనా రు. ౫,౬౮,౫౯,౦౦౦ చూపించి రు. ౫,౯౨,౮౯,౫౬౨ మాత్రం ఖర్చు పెట్టారు. అనగా అదనంగా రు. ౨౪,౩౦,౫౬౨. దీని తరువాత సప్లిమెంటరీ బడ్జెటు రూపంలో మనముందు పెడతారు. కాన్ని ప్రత్యేక అవసరాలు కలిగాయని, బేదా ప్రత్యేక పరిస్థితి తీర్చడాని, ఏదో తలకిందలియ్యే పరిస్థితులు వచ్చాయని అప్పుడు చెబుతారు. కార్మికులు సమ్మెలు చేశారనో విద్యార్థుల డోరేగింపుల మీద కాల్పులు కాల్చడానికి పోలీసు రాకపోక ఖర్చులు, ఇతర ఖర్చులు తలవని తలంపు ఖర్చులు ఈ విధంగా చెప్పి రు. ౨౪,౩౦,౫౬౨ లు ౧౯౫౧-౫౨ సంవత్సరం చివరకు అదనంగా ఖర్చుపెట్టారు. ఈ అదనపు ఖర్చు మిగతా అన్ని శాఖలలోనూ ఎందుకు తేడు? కేవలం పోలీసు శాఖలోనే ఎందుకు జరగాలి? ఇంకా విద్యా శాఖలో ఏ విధంగా మిగిల్చారో ఆరోగ్య శాఖలో ఏ విధంగా మిగిల్చారో చూపెట్టెదను. ౧౯౫౧-౫౨ సంవత్సరంలో విద్యా శాఖలో ౪,౯౦,౦౦,౦౦౦ లు కేటాయించారు. నికరంగా ఖర్చు రు. ౪,౦౯,౨౭,౬౬౭ అనగా ౮౦,౭౨,౩౩౩ లు మిగిల్చారు. విద్యాశాఖలో పెంచామని యిప్పుడే విద్యాశాఖ డివ మంత్రిగారు నెలవిచ్చారు. పెంచినమాట నిజమే. కాని ఆ డబ్బు అంతా ఖర్చు పెట్టకుండా కొంత మిగులుస్తున్నారు. అదే విధంగా ఆరోగ్యశాఖ విషయంలో చూస్తే ౧౯౫౧-౫౨ అంచనా ౧,౧౮, ౦౦,౦౦౦ అయితే నికరంగా రు. ౯౧,౨౭,౪౬౧ ఖర్చు పెట్టి రు. ౨౭,౭౨,౫౩౯ మిగిల్చారు. ఇదే విధంగా ౫౨-౫౩ లో పోలీసు శాఖమీద రు. ౨౯,౩౨,౫౪౯ అదనంగా ఖర్చు పెట్టారు. ౫౩-౫౩ లో విద్యాశాఖలో ౧౭,౭౫,౩౩౬ మిగిల్చారు. ఆరోగ్య శాఖలో రు. ౭,౪౫,౧౭౫

మిగిల్చారు. ౫౩-౫౪ లో విద్యా శాఖలో ౧౦,౭౬,౦౦౦ మిగిల్చారు. ఆరోగ్య శాఖలో ౧,౫౪,౦౦౦ లు మిగిల్చారు. ఈ విధంగా అంకెలు తలకిందులు చేసి ఎందుకు చూపించారు ? ఈ విధంగా ఈ రెండు సంవత్సరములలో చూస్తే మీయొక్క తప్పుడు లేడికెల స్వరూపాన్ని ఎవరు గుర్తించలేని సమస్య కాదు. మొదట కల్గిచాల్సి మాటలు చెప్పి ఏదో విధంగా బడ్జెటును మంజూరు చేయించుకోవడం, చివరకు దానిని ఆ విధంగా ఖర్చు పెట్టక డబ్బును మిగిల్చి తమ పీతాన్ని అన్ని విధాల కాపాడుకొనేందుకు తమను అన్ని విధాల రక్షించుకొనేందుకు పోలీసు మీద ఖర్చు చేస్తున్నారు. నిన్న ఒక గౌరవ సభ్యుడు మాట్లాడుతూ పోలీసు మీద ఖర్చు తగ్గిందని చెప్పారు. ఎంతవరకు పోలీసు శాఖను తగ్గించారో అదీ కూడా ఈ శాసన సభలో అంకెలు యిచ్చి చూపించ దలచు కొన్నాను. ఇదీ ఒక ప్రశ్నకు సమాధానముగా మంత్రిగారు యిచ్చిన కాపీ ;—

౧౯౪౮-౪౯ అంటే పోలీసు యాక్టును అయిన కాలము :—

పోలీసు కానిస్టేబుల్సు ...	3౨,౨౨౪
ఐ. జి. పి. ...	౧
డి. ఐ. జి. లు ...	౧౩
డి. యన్. పి. లు ...	౪౦
డి. ప్లె. యన్. పి. లు ...	౭౨
సర్కిల్ ఇన్స్పెక్టర్సు ...	౩౨౬
సబ్ ఇన్స్పెక్టర్సు ...	౧౦౨౦
హెడ్ కానిస్టేబుల్సు ...	౩౮౨౦

ఆ రోజుల్లో పరిస్థితులు చాలా తలకిందులుగా వుండి, అదుపులోనికి తేవడానికి ఆ విధంగా పెంచారు. ౧౯౪౯-౫౦ లో ఏమీ తగ్గలేదు. అదే విధంగా వున్నదీ. ఈ ప్రభుత్వం వచ్చిన తరువాత కూడా వారికేమీ లోపం చేయలేదు. ౧౯౫౦-౫౧ లో

పోలీసు కానిస్టేబుల్సు ...	... ౨౬,౯౮౨ వరకువచ్చారు.
సబ్ ఇన్స్పెక్టర్సు ...	... ౯౮౫
హెడ్ కానిస్టేబుల్సు ...	... ౪౧౯౩
సర్కిల్ ఇన్స్పెక్టర్సు ...	... ౨౭౪
౧౯౫౧-౫౨ లో పోలీసు కానిస్టేబుల్సు ...	... ౩౩,౨౯౪
హెడ్ కానిస్టేబుల్సు ...	... ౫,౨౨౪

సబ్ ఇన్స్పెక్టర్సు ౧,౧౭౭ సర్కిల్ ఇన్స్పెక్టర్సు ౩౭౫, డి. ప్లె. యన్. పి. లు ౮౪, డి. యన్. పి. లు ౩౬.

౧౯౫౨-౫౩ లో పోలీసు కానిస్టేబుల్సు ...	... ౩౩,౨౮౨
హెడ్ కానిస్టేబుల్సు ...	... ౫,౨౧౦

సర్కిల్ ఇన్స్పెక్టర్సు తగ్గ లేదు. ఈ విధంగా అంకెలుంటే పోలీసును తగ్గించామని పచ్చి బుద్ధులు ఎందుకు చెబుతున్నారు?

పోలీసు యాక్టును తరువాత ఎన్నికలు వచ్చేవరకు పెట్టిన పోలీసు క్యాంపును, పోలీసు స్టేషన్లు గా మార్చి, ఆ పోలీసు కానిస్టేబుల్లను హైదరాబాదు స్టేటు పోలీసు సంఖ్యలలో చేర్చుకొని హైదరాబాదు పోలీసు శాఖవారని అనిపించి, వాటిని తగ్గించామని చెప్పడం జరుగుతోంది. ఈ విధముగా పోలీసు శాఖలో యంతరవదాకా తగ్గించకుండా గత మూడు సంవత్సరములనుంచి వుంటున్న 33 వేల కానిస్టేబుల్లను అదే విధంగా వుంచారు. ఆ విధంగా పోలీసు బలగాన్ని పోషిస్తూ వారి అండలో పృథుత్వాన్ని నిలబెట్టుకొనేందుకు పరియత్నం చేయడం జరుగుతోంది. ఆ విధముగా పరిస్థితులుండటం చేత దీనిని పోలీసు బడ్జెటు అని అంటే ఏదో వామపక్షాలవారు ఈ విధంగా ఆనడం అలవాటని ముఖం చాటు పెట్టుకుంటే కాదు. మీ కాంగ్రెసు పక్షంలో వచ్చిన చీలకలను గూడా మీరు గుర్తించలేకుండా పోతున్నారు. మీలో వతన సమస్య కాదు. దినకర్మేణ పరిజల సమస్యలను మీరు తీర్చలేక పోతున్నారన్నమాట. పరిజల ఆర్థిక దుస్థితిని, యితర యిబ్బందులను పరిష్కరించకుండా, ఏవో కుట్రలున్నవని రాజకీయ అధికారమును నిలబెట్టుకొనేందుకు పరియత్నం చేస్తున్నారని మనవి చేస్తున్నాను.

شری ورکا تم گو پال ریڈی-مسٹر اسپیکر سر- بہت انتظار کے بعد مجھے موقع ملا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ مجھ پر قیود بھی عائد کئے گئے ہیں -

**Mr. Deputy Speaker :** No Comments on giving chances for speaking.

شری ورکا تم گو پال ریڈی بجٹ کے سلسلہ میں آنریبل ممبرس نے مختلف خیالات کا اپنے اپنے طرز پر اظہار کیا ہے مجھے اون سب باتوں کے بارے میں کہنا نہیں ہے - میں کوئی ماہر فینانس نہیں ہوں جو بجٹ کے سلسلہ میں اپنے ماہانہ خیالات کا اظہار کرسکوں - لیکن ایک معمولی ناگرک ( ناگریک ) کی حیثیت سے اپنے چند خیالات آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں - ہر بجٹ میں آمدنی کے تین ذرائع ہر سکتے ہیں - ایک تو ٹیکسس کے ذریعہ دوسرے بچت کے ذریعہ اور تیسرے امداد یا ایڈس ( Aids ) کے طور پر - ان ہی تین ماہات کے ذریعہ آمدنی کو بڑھایا جاسکتا ہے - ہمیں اسپر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے ہاں ٹیکسس میں اضافہ ہوا ہے یا نہیں - میں سمجھتا ہوں کہ اب تک جو ٹیکسس اس عوامی حکومت کے قیام کے بعد اور اوس سے پہلے سے عائد ہیں وہ خود اس قدر زیادہ ہیں کہ اب ہم اس سے زیادہ عائد نہیں کرسکتے - اور اگر عائد کئے جائیں تو وہ عوام کے لئے ناقابل قبول ہونگے - اس لئے مزید ٹیکسس کے اضافے کا سوال پیدا نہیں ہوتا - اب رہا بچت کا سوال - تو اسکے متعلق میں عرض کرونگا کہ ہم جیسے آنریبل ممبرس جنہیں دو سو روپیہ سے زیادہ الونس ملتا ہے اور اسکے علاوہ ڈیلی الونس بھی ملتا ہے لیکن ہم اپنے اخراجات سے بچت نہیں کرسکتے اس سے عوام کے حالات کا اندازہ ہوسکتا ہے - عوام بچت کی خاطر کچھ جمع نہیں کرسکتے - اب رہی امداد تو سنٹرل گورنمنٹ سے ہی ہمیں امداد ملتی ہے - اور باہر کی حکومتوں سے امداد کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ سنٹرل سبجیکٹ ( Central Subject ) ہے - بعض آنریبل ممبرس نے اس بارے میں

بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن میں اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ہمکر جو امداد ملتی ہے وہ سنٹرل گورنمنٹ ہی سے ملتی ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ رزرو بینک ( Reserve Bank ) سے ہمارے منصوبوں کو روبعمل لانے کے لئے رقم مہیا کی جاتی ہے۔ اس طریقہ سے ہمارے بجٹ میں جو چیزیں رکھی گئی ہیں ان آمدنیوں کو پیش نظر رکھکر اخراجات کے مددات کو معین کیا گیا ہے۔ بعض آنریبل ممبرس نے حکومت کے ڈیفیسٹ بجٹ ( Deficit Budget ) کو حکومت کا دیوالیہ بن ظاہر کیا ہے۔ کل بھی بعض آنریبل ممبرس نے نہایت شدو مد سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ میں کہوںگا کہ یہ کوئی خصوصی بات نہیں ہے۔ صرف حیدرآباد اسٹیٹ کا ہی بجٹ ڈیفیسٹ نہیں ہے بلکہ دوسرے صوبجات میں بنی ڈیفیسٹ بجٹ پیش کیا جاتا ہے۔ سنٹرل گورنمنٹ میں بھی ڈیفیسٹ بجٹ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ میں اون ممبروں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ رشیا کا بجٹ بھی ڈیفیسٹ ہوا کرتا ہے۔ اسلئے میں کہوںگا کہ بجٹ ڈیفیسٹ ہوتو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حکومت کا دیوالیہ بجٹ ہے۔ یورپین کنٹریز ( European countries ) میں بھی سرمایہ دارانہ بجٹ ڈیفیسٹ ہوا کرتا ہے۔ کہا گیا کہ اس ڈیفیسٹ بجٹ سے کیا تبدیلیاں ہوسکتی ہیں۔ بعض آنریبل ممبرس کو شکوک ہیں کہ قیمتیں بڑھ جائیںگی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ گذشتہ سال دیگر صوبجات میں بھی ڈیفیسٹ بجٹ پیش کیا گیا ہے۔ اسکا اصول یہ ہے کہ ہمارے مقررہ اخراجات میں جو اڈمنسٹریشن چلانے کے لئے ضروری ہیں ردو بدل نہیں کیا جاتا ہے۔ اسلئے ہمیں کسی قسم کا خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جو اخراجات منصوبہ بندی کے لئے یا فائیاویر پلان کے لئے یا نیشنل ولفیر اسٹیٹ کے لئے یا پراجکٹ بنانے کے لئے عائد ہو رہے ہیں وہ عوام ہی کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کئے جا رہے ہیں کبھی اور کے لئے خرچ نہیں کئے جا رہے ہیں۔ یہ پیسہ غریبوں کے لئے ہی خرچ کیا جا رہا ہے۔ جب یہ پیسہ غریبوں کے ہاتھ میں جاتا ہے تو وہ رول ہوکر پھر حکومت کے پاس آتا ہے۔ اسلئے میں عرض کروںگا کہ ڈیفیسٹ بجٹ رکھنے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔ میں اس مسئلہ پر اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔ اب میں دوسری طرف آپکا دھیان اکشرت ( آکشیٹ ) کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ہمارے پاس حال میں ڈی کنٹرول ( Decontrol ) کیا گیا ہے۔ ڈی کنٹرول کے لئے ایک زمانے سے یہاں کے عوام متمنی تھے۔

[Mr. Speaker in the Chair].

کنٹرول کو ایک بلا سمجھ رہے تھے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پر ایک بھوت سوار ہو گیا ہے۔ یہ خیال تھا کہ عوام پر کنٹرول کے نام سے ایک بہت بڑا اتیاچار ( اتیاچار ) کیا جا رہا ہے۔ میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ممبروں نے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ میں اسکی صراحت کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ڈی کنٹرول کی وجہ سے قیمتیں گر رہی ہیں۔ کسانوں کی قوت خرید کرنے نہ پائے یہ سوال بھی غور طلب ہے۔

میں نے اس مسئلہ کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا ہے کہ آنریبل فنانس منسٹر اور خاص طور پر آنریبل فوڈ منسٹر جو اس بارے میں قیمتیں کنٹرول کرنے والے ہیں ان کا دھیان اس جانب آکرشت کراؤں۔ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ بڑی جرأت کے ساتھ عوامی بہبودی کے کام انجام دے رہی ہے۔ اس کے لئے میں حکومت کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ کنٹرول پر خاست ہونے کی وجہ سے قیمتیں نہ کرنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں جو کسان اپنی پیداوار مارکٹ میں لاتے ہیں تو ان کو ساہوکار خریدا لیتے ہیں۔ وہاں گری ہوئی قیمت سے لیتے ہیں لیکن جب کسان اپنی ضرورت سے وہی مال خریدنے جانا ہے تو قیمتیں بڑھی چڑھی ہوتی ہیں۔ اس سے کسان کو جو فائدہ ہونا چاہیئے نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کسان کے قرض کا بوجھ اترنے نہیں پاتا۔ اس لئے میں ادباً گزارش کروں گا کہ مارکٹ پر کنٹرول ہونا چاہیئے۔ ہماری گورنمنٹ کی درستی کسانوں کی ہمدردی میں نہیں ہے اس کا بین ثبوت نظام ساگر شوگر ورکرس کے مطالبات ہیں۔

مسٹر اسپیکر - اب ساڑھے چھ بج چکے ہیں۔ میں نے آنریبل فنانس منسٹر کی اسپیک کے لئے ساڑھے چھ کا وقت دیا تھا۔

شری ورکاتم گوپال ریڈی - میں صرف دس منٹ میں اپنی تقریر ختم کئے دیتا ہوں۔ مسٹر اسپیکر - یہ نہیں ہوسکتا۔ جنرل ڈسکشن کے لئے صرف تین دن دئے جا چکے ہیں۔ گورنمنٹ کو بھی جواب کا موقع ملنا چاہیئے۔

شری ورکاتم گوپال ریڈی - میں صرف دو منٹ میں ختم کئے دیتا ہوں۔ رعایا پر جو ۳۶۰۰ کی قید عائد کی گئی ہے اس سلسلے میں معاشی مساوات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اور ملازمین کی تنخواہوں اور پیشہ وروں اور فیکٹری اونرس پر بھی اسکو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

دیہات کے لوگوں کے لئے بندوبست اولی کے وقت گاؤں ٹھان کی زمینات چھوڑی گئی تھیں۔ لیکن وہاں آبادی میں کافی اضافہ ہونے کے باوجود اس میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔ حیدرآباد شہر میں ہزاروں ایکڑ زمین کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ لیکن دیہاتوں میں گاؤں ٹھان کا علاقہ اضافہ نہیں کیا جاتا میں وہی کروں گا کہ اس جانب توجہ دی جائے کیونکہ صحت عامہ کے نام پر ولیج پنچایت کمیٹیاں کھادر کھنے پر اعتراض کرتی ہیں۔ اور آبادی سے باہر کھاد رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ وہاں اطراف میں دوسرے لوگوں کی زمینات ہوتی ہیں۔ اس قسم کی مجبوریات ہیں وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ اس جانب حکومت کو توجہ دینی چاہیئے۔

انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ کے ذریعہ شہروں میں رہنے والے مزدوروں کے لئے تو کافی روپیہ صرف کر کے مکانات بنائے جاتے ہیں لیکن دیہات میں رہنے والے زرعی مزدوروں کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کی سخت ضرورت ہے۔ کو آپریٹو سوسائٹیز سسٹم کے ذریعہ یا کسی اور پلان کے ذریعہ اس کا انتظام کیا جانا چاہیئے تاکہ غریب مزدوروں اور زرعی مزدوروں کے لئے کچھ انتظام ہوسکے۔ کیونکہ صرف زمینات کی انتظام



करके रقبہ بڑھانے سے پیداوار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انڈسٹریز کو بھی ڈیولپ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں یہ کہنے میں ہار نہیں سمجھتا کہ ہماری گورنمنٹ انڈسٹریز بالیسی کے چلانے میں ناکام رہی ہے اور میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ہماری حکومت کوئی جدید انڈسٹری بھی قائم نہ کر سکی۔ ہمارا منچریال میانچیسٹر گارڈین نہ بن سکا ہمارے پاس سورس (Sources) ہیں۔ لیکن اس پر سورج بیچار نہیں کیا جاتا۔ جدید انڈسٹریز قائم ہونا تو کجا پرانی انڈسٹریز بھی برابر نہیں چل رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمیں انی انڈسٹریز کو برلا کے حوالے کرنا پڑا ہے۔ ان کے حوالہ ہوئے بعد جہاں ہم ڈیلی ۲۴ ٹن پیداوار نکالتے تھے وہیں وہ ۵۰ ٹن پیداوار نکال رہے ہیں۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ برلا خود یہاں آ کر کام نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ یہیں کے اکسپرنٹس سے کام چلا رہے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ انڈسٹری اب اچھی طرح اکسپرنٹس کے ذریعہ ہماری حکومت بھی ان انڈسٹریز کو چلا سکتی تھی۔ جس سے ہمارے ملک کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوتا اس سے بروزرگاری دور ہوتی .....۔

مسٹر اسپیکر۔ آرڈر۔ آرڈر۔ کافی وقت ہو چکا ہے۔ اب فنانس منسٹر کو موقع دیا جاتا ہے۔

شری رنگ راؤ دیشمکھ (گنگا کھیڑ) اسپیکر سر۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۷ بجے تک ممبرس کو موقع دیا جا کر ۷ بجے سے فنانس منسٹر کو موقع دیا جائے تو .....۔

*Mr. Speaker :* Order, Order. The Finance Minister may give his reply now.

श्री. वि. के. कोरटकर :—स्पीकर सर, तीन दिन से बजट पर काफी शहमेद से बहस हो चुकी है । जिस बहस का आगाज करते हुअे विरोधी दलके नेताने अक चीज सामने रखी थी कि बजट में हम जो चाहते हैं और जो बजट पेश हुआ है उसमें अक बुनियादी फर्क है । फर्क जरूर होगा जिसमें जर्रा भी शक नहीं। अगर फर्क न होता तो आप अक तरफ और हम अक तरफ बैठ नहीं सकते थे। मगर फर्क जो बतलाया गया है वह फर्क नहीं है।

विरोधी दल के नेता ने सभा के सामने यह रखा था कि आज हुकूमतोंके चलाने और समाज की रचना करने के विचारोंमें जो फर्क नजर आरहा है उसमें मूलभूत दो चीजें हैं । अक जागीर—दाराना हुकूमत और दूसरी अव्वाम की हुकूमत । अन्होंने कहा कि ये दो मूलभूत चीजें हैं और जिस दृष्टीसे देखा जाय तो जो बजट अपस्थित किया गया है वह जागीरदाराना या जमीनदारी बजट है।

बजट को कोवी न कोबी नाम दियाही जाना चाहिये था । पिछले वर्ष जब आय—व्ययक का बजट पेश किया गया तो उसको पुलिस—बजट के नाम से कहा गया और जिस वक्त के बजट पेश किया गया तो उसको जमीन—बजट के नाम दिया गया है । अगले जो बजट पेश होगा शायद उसे जमीन—बजट के नाम से कहा जायगा और अगले साल जो बजट पेश होगा, मे नही कहेंगे कि उसे जमीन—बजट के नाम से कहा जायगा । अहिस्ता अहिस्ता शायद आपके नाम की डिक्शनरी

*Shri V. B. Raju.* What is the interest they are paying.

*V. K. Korathkar.* They are paying I think, 1.25 %

लेकिन यह लोन देने के बाद सच्चा फीसद सूद अुस पर मिलेगा। जिसके पहले जो कुछ रकम अुनके पास थी वह बिला सूद के थी। जिसके साथ साथ अेक छोटी सी चीज में औवान के सामने रखना चाहता हूं कि स्टेट बैंक को जो पांच करोड़ का कर्जा दिया गया अुसके और भी वजूहात हैं। अेक यह है कि हम जिस रकम को गवर्नमेंट आफ इंडिया के सामने साफ रख सकते हैं कि तुम्हारा जो कुछ लेना देना है अुसका तसफीया यहाँ से हो सकता है। दूसरी चीज यह है कि जिसके पहले स्टेट बैंक हैदराबाद गवर्नमेंट के बैंकर्स थे और नये अिन्तजामात में हैदराबाद गवर्नमेंट के बैंकर्स रिजर्व बैंक हो गये हैं। जिसके बाद हैदराबाद गवर्नमेंट का जो कुछ भी डिपॉजिट स्टेट बैंक के पास रहता था वह अब रिजर्व बैंक में चला जाता है। जिसकी वजह से हैदराबाद स्टेट बैंक को अपने रोजमर्रा के कारोबार चलाने में और दूसरी चीजों में जो हमारा डिपॉजिट वहाँ रहता था वह अब न रहने से दिक्कत महसूस हो रही है। सहूल तरीके पर अुनका कारोबार अब नहीं चल सकता और हमारे दूसरे भी वादे स्टेट बैंक से थे। तथा हैदराबाद गवर्नमेंट के कारोबार में जो अेग्रीकल्चरल लोन्स दिये गये वे जिस बैंक की तरफ से हैदराबाद गवर्नमेंट के कहने पर दिये गये हैं। अिन सब चीजों की सहूलियत देने के शब्दकोष खतम हो जायगा।

मेरी समझ में नहीं आता कि जिस बजट को जागीरदारी बजट या जिस सिस्टम पर हम आज चल रहे हैं अुसको जागीरदारी सिस्टम क्यों कहा जा रहा है। जागीरदारी सिस्टम अेक सिस्टम है जिसको शायद अंग्रेजी में आलीगेकी ( *aligarchy* ) कहते हैं या पयुडेलिस्ट सिस्टम कहते हैं वह अेक जमाने में था। लेकिन यह पयुडेलिस्ट सिस्टम हैदराबाद से ही नहीं बल्कि दुनिया से बहुत जमाने से खतम हो चुका है। यह राज्यपध्दति अुस समाज में या सोसायटी में रहती है जिसमें कुछ विशिष्ट लोग अपने जन्मसिध्द अधिकारों के आधार पर सारे राज्य के अधिकारसूत्रों को अपने हाथ में रखते हैं। दो तीन या चार सौ साल पहले यह पध्दति दुनिया में थी। लेकिन जैसे जैसे दुनिया में इंडस्ट्रीज बढ़ती चली गयी वैसे वैसे यह सिस्टम बदलते बदलते अब बिल्कुल अेक दूसरा सिस्टम आ गयी है। हैदराबाद में अगर आप देखें तो मेरी समझ में नहीं आता कि कौन से जागीरदार और कौनसे पयुडेलिस्टिक पार्षस हैं जिन्होंने सारे अधिकारसूत्रों को अपने हाथ में रखा हुआ है। कहीं ऐसी चीज नजर नहीं आती। चूताचे जिसके खिलाफ ही आज जो सिस्टम है अुसमें जागीरदारी को खतम किया गया है। जमीनदारी खतम करने के लिये दूसरे कानून बनाये गये हैं अिन सभ चीजों के होते हुए यह कहना कि यह अेक जागीरदारी सिस्टम का बजट है यह ऐसी बात है जिसको कोअी समझ नहीं सकता। सिर्फ जिसलिये कि अेकाध करोड़ रुपया जागीरदारों को जिनके जागीरदारिया छीन ली गयी हैं अुनको मुअवाजे के तौर पर देने के लिये जिस बजट में रखा गया तो यह बजट जागीरदाराना बजट हो गया तो यह बड़ा मुशकिल मालूम होता है। जिस बजट में ५ करोड़ रुपये शिक्षा के लिये रखे गये हैं। फिर आप क्यों नहीं कहते कि यह अेजुकेशन बजट है। असमें ३ करोड़ रुपये तुंगभद्रा प्रोजेक्ट के लिये रखे गये हैं तो आप क्यों नहीं कहते कि चलो भाओ, जिस साल के बजट को हम तुंगभद्रा का बजट ही कह दें! अेकाध करोड़ रुपया किसी चीज के लिये रखा गया है जिसलिये जिस बजट को वह नाम नहीं दिया जा सकता जिसका अुसमें नाम नहीं है। यह बजट बिल्कुल अेक सीधे साधे आदमी जिसको कॉमन मैन

तरह का यह बजट है ।  
 विरोधी पक्ष जिस तरह से कहते हैं कि जिसमें बुनियादी फर्क है, जिसमें मुझे जरा भी शक नहीं कि जिसमें बुनियादी फर्क है । फर्क जरूर है । और इस बात को सब लोग जानते हैं । अपोजीशन के लोग और हम जानते हैं कि यह जो फर्क है वह इस वक्त दुनिया में जो दो सिस्टम्स फैले हुए हैं । उनकी बजह से है । एक डेमाक्रसी और दूसरी कम्युनिजम । डेमाक्रसी के बहुत से स्वरूप हैं । कम्युनिजम के भी बहुत से स्वरूप हैं । आप जानते होंगे कि चायना का कम्युनिजम वह नहीं समझा जाता जो रशिया का समझा जाता है और रशिया का कम्युनिजम वह नहीं समझा जाता जो युगोस्लाविया का समझा जाता है । इसी तरह से डेमाक्रसी में भी बहुत से फर्क हैं । आज अंग्लैंड में डेमाक्रसी अलग है, यूनायटेड स्टेट्स में अलग है और अुसी तरह से हमारे डेमाक्रसी के सिद्धांत दूसरों से अलग है । लेकिन कम्युनिजम और डेमाक्रसी में बुनियादी फर्क जरूर है । डेमाक्रसी में अिन्डीव्हीज्युअल लिबरटी: व्यक्ति स्वातंत्र्य की अिज्जत की जाती है और कम्युनिजम में अिन्डीव्हीज्युअल लिबरटी को पूरी तरह दबाया जाता है । यह बुनियादी असूल है जिसकेअुपर दुनिया की दो शक्तियों में इस वक्त फर्क है और जिसके अनुसार मैं अितना जरूर कह सकता हूं की यह बजट अुस कॉमन मैन का बजट है जोकि लॉकतंत्र के सिध्दांत में विश्वास रखता है । अेक सीधेसाधे आदमी का बजट है जोकि जानता है कि मेरे पास जमा अितना है, जोकि जानता है कि अलग अलग मद में मुझे अितना अितना खर्च करना है और कौनसी चीज पर कितना किया जा सकता है और कौनसी चीज पर कितना नहीं किया जाना चाहिये ।

मंत्री उनका जवाब देंगे। मैं समझता हूँ बहस के बारे में हमको कुछ जैसे कन्व्हेन्शन्स अर्थात् परिपाटी डालनी चाहिये कि बहस को कुछ हिस्सों में बाँटा जाय। एक बहस जो कि राजप्रमुख के अडेस पर हुवी थी वह किस हद तक रखी जानी चाहिये। उनहीं चीजों को फिर बजट पर बोलते हुक् दोहराने की जरूरत नहीं समझी जानी चाहिये और फिर हर सेगे के बारे में, जिस सेगे में यह हुवा और यह नहीं हुवा जिस तरह की बहस, मेरा अपना खयाल है कि मुलतवी रखी जानी चाहिये अुस वकत के लिये जब कि डिमांडज हायुस के सामने पेश की जाती है। यहाँ बजट पर जनरल बहस की जा रही है तो अुसमें हमकी अपनी बहस को अुतना ही महबूद रखना चाहिये जिस हद तक जनरल प्रिन्सिपल याने सनसकारण सिध्दको पर बहस की जा सकती है। जिसलिबे में अपना जवाब सिर्फ अुन प्रिन्सिपल की अुन अुन के अुन रखना चाहता हूँ।

करीब दो बजे तक गवर्नमेंट रजारी चहुँता हूँ।  
 मुझसे पूछा जाता है कि गवर्नमेंट रजारी में सब से पहले केस्टमस के बारे में जो कुछ कहा गया है  
 उसका अर्थ क्या है। मैं जवाब देता हूँ कि केस्टमस के जिनके जिसमें एक नहीं कि यह बात समझी गयी  
 है कि गवर्नमेंट ने यह वायदा किया है कि गवर्नमेंट ने यह भी कहा जा सकता है कि गवर्नमेंट ने यह वायदा

भी किया था कि चार साल के बाद यानी १९५४ मार्च से कस्टम्स को पूरी तरह हटा दिया जायेगा। कस्टम्स के ऊपर बोलते हुअे अधर की जानिब से अक तकरीर बहुत शहोमद के साथ हुअी कि अगर यह कस्टम डछूटी न अुठाअी गअी तो असके माने यह होगे कि हमको स्वराज्य ही नहीँ मिला। मै यह राय नहीँ दे सका कि कस्टम्स अुठा ली जाये। मुझे भी असका अफसोस है। मगर कस्टम्स के बारे में दो तीन चीजे मै अँवान के सामने साफ कर देना चाहता हूँ जिनको देखकर मै यह खयाल किया था कि कस्टम्स को न भी अुठाया जाय तो कोअी बडा अन्याय नहीँ होगा जिसके लिये अितना सोच विचार किया जा सके।

बजट सामने रखा गया है और अससे अस वक्त साफ जाहीर हो रहा है कि रेवीन्यू साअिड में, १ करोड ६ लाख और कैपिटल साअिड में, १ करोड १२ लाख की कमी आ रही है। अितने बडे डेफिसिट के होते हुअे किसी भी गवर्नमेंट के लिये यह सोचना नामुमकिन था कि दो करोड के करीब आमदनी अेकदम छोड दी जाय। कस्टम्स और सरचार्ज से करीब दो की आमदनी पिछले साल हुअी और अस साल भी वही अँदाजा है। अगर यह आमदनी छोड दी जाती तो फिर बजट का मुँह मिलांना बहुत मुशिकल था।

हमने गवर्नमेंट ऑफ अिंडिया से वायदा तो किया ही था लेकिन असके सिवा गवर्नमेंट ऑफ अिंडिया का भी हमारेअुपर बहुत बडा दबाव है कि कस्टम्स को बंद करदेना चाहिये और मेरीभी यही ख़ास है कि जब दूसरे स्टेट्स में, सारे हिंदुस्तान में कहीं भी कस्टम्स नहीँ लगा रहें हैं तो यह कस्टम हमारे पास ही क्यों रहे? लेकिन असके साथ साथ मै अेकचीज और हाअुस के सामने रख देता हूँ कि पार्ट 'बी' स्टेट्स जिनको कहा जाता है असकी शुरु से बिल्कुल अेक खास और अलाहिदा स्थिति थी और अस स्थिति में करीब करीब हर स्टेट में कस्टम्स का लिया जाना जारी था। यही चीज अिंडीअेशन के बाद भी अुसी तरह से जारी रही। आज भी राजस्थान, मध्यभारत, सौराष्ट्र में यही सिस्टम जारी है। त्रावणकोर कोचीन में यह सिस्टम है या नहीँ यह मुझे मालूम नहीँ। पहले से हमारे बजट की पालिसी अिसी तरह से बनी हुअी है कि जिसमें कस्टम्स की आमदनी के सिवा हम अपना बजट ही पूरा नहीँ कर सकते। असलिये हमको कस्टम्स को रखना पडा। दूसरे स्टेटों में जहां कान्स्टीट्यूशन ने दस साल तक कस्टम्स के लिये अिजाजत दी है वहाँ गवर्नमेंट ऑफ अिंडिया ने असको पांच साल तक की अिजाजत देकर असके बाद फिर असके बारे में गौर करने का वायदा किया है कि अस सिस्टम को हटाना पडेगा या फिर असको अिसी तरह से जारी रखना पडेगा या असके अुआमजे में किसी दूसरी आमदनी का सोर्स हमको देना पडेगा। अस वजह से जैसे सब की स्थिति होगी वैसी ही हमारी भी हो जाती है। असमें शक नहीँ कि जैसे राजस्थान, सौराष्ट्र या मध्यभारत में पांच साल तक कस्टम्स रहेगी अुसी तरह से हैदराबाद में भी कस्टम्स लिये जाने की अिजाजत दी जा सकती थी। मगर पुलिस अेक्शन के बाद जिस तरह की गवर्नमेंट वहां बनी अुसी तरहसे वहाँ नहीँ बनी और वही वजह है कि पांच साल के बजाय चार साल तक ही कस्टम्स को जारी रखने की अिजाजत यहां दी गयी। चार साल की अिजाजत दी गयी थी अिसलिये मार्च, १९५४ तक यह खतम होनी थी लेकिन गवर्नमेंट ऑफ अिंडिया ने हमारे कहने पर और कुछ दिन के लिये कस्टम्स रखने की हमे अिजाजत दी जाय यह अिजाजत दी कि सब पार्ट 'बी' स्टेट्स में जिस तरह का अिन्सबाम चल रहा है अुबके मुताबिक और अेक साल के लिये आपकी अिजाजत दी जाती है असके बाद सारा अिन्सबाम जिसके लिये क्या किया जाय। यह सारा का सारा कल, याकी हमार और दूसरे स्टेटों

के केस पर गौर किया जायगा और मुझे जिस बात की अुम्मीद है कि अगले साल बहुत मुमकिन है में वादा तो नहीं करता लेकिन मुमकिन है कि जिस आमदनी के लिये कोअी दूसरा तरीका जिन चारों स्टेटों के लिये निकाला जायगा।

जिसके साथ साथ में अेक और चीज बतलाना चाहता हूं। मैंने जिसको देखते हुअे अेक और भी चीज देखी कि कंस्टम्स यानी अेक्सपोर्ट ड्यूटी बहुत से मुमालिक में और यहां भी पहले जो रियासतें थीं जिनको आज पार्ट 'बी' स्टेट्स कहा जाता है उनमें रखी गयी थीं। क्योंकि बाकी जगहों में अलाहिदा गव्हर्नमेंट थी और स्टेटों में दूसरी थी। वे अेक दूसरे से बिल्कुल असंबंध समझी जाती थीं और जिस तरह से फॉरिन गव्हर्नमेंट के बीच यह ड्यूटी रखी जाती है उसी तरह से जिनमें भी रखी गयी लेकिन जिससे जरूर स्टेट्स का फायदा हुआ है।

कंस्टम्स के बारे में यह समझा जाय कि यह हमारे लोगों पर अेक तरह का बोझ है अैसी तो कोअी चीज मुझे जिसमें मालूम नहीं होती। कंस्टम्स और सरचार्ज को रखते हुअे गव्हर्नमेंट ने जिस बात का मुतालिया कर लिया था कि आखिरकार जिसका बोझ किस पर पडता है। हमने देखा कि जिसका बोझ बजाय आम पब्लिक के या कान्तकार के मुख्यतः व्यापारियों पर पडता है। कंस्टम्स को रखते हुअे हमने वस्तुओं के भावों को देखा। हैदराबाद में भाव क्या है और यह चीज बाहर जाने के बाद बंबयी में उसका क्या भाव है। मैं सारी लिस्ट बैवान के सामने नहीं रखना चाहता लेकिन कुछ थोड़े से चार पांच चीजों के भाव आपके सामने दूं तो आप समझ सकेंगे कि आखिरकार कंस्टम्स का बोझ कान्तकारों पर पडता है यह जो आम तौर पर समझा जाता है उसमें कहां तक सत्यता है। ये भाव जवबरी १९५४ के हैं, जिस वक्त के भाव मेरे पास नहीं हैं। मूंगफली का भाव यहां उस वक्त रु. २०-६-१० पल्ला था और बंबयी में रु. ३१-४-८ था, यानी करीब ११ रुपये का फर्क है जोकि परेट वगैरा लगाने के बाद बच जाता है, तो जिसमें व्यापारी को ही ज्यादातर मुनाफा रहता है। जिस वक्त के में से कंस्टम्स और सरचार्ज के रूप में गव्हर्नमेंट सिर्फ दो रुपये लेती है। जिसी तरह से ओरंडी का भाव यहां रु. १९-०-० था और बंबयी में रु. २२-१४-० था, उस पर रु. १-१४-० करोडगिरी व सरचार्ज लिया जाता है। अलसी का भाव यहां रु. १५-७-० था और बंबयी में रु. २२-१-३१ था कुछ बार सरचार्ज और कंस्टम्स रु. १-११-० लिया गया। बिचौले का भाव यहां रु. ९-१५-११ था बंबयी में रु. १२-१२-१० था और कंस्टम्स और सरचार्ज रु. १-३-० लिया गया। यह तो सीधीसादी बात है कि हैदराबाद के हैदराबाद में ही अगर कोअी चीज बिक रही है तो उस पर कोअी कंस्टम्स नहीं। मुहम्मद शुक्कर लिखा करता है जोकि कोअी बोझ होता है। बिबलिष ग्रही समझा जाता है कि असल बार वहकि बाशिंदोंपर पडता है जहांके लिये यह चीज बेची जाती है। अैसी शूरत में जहां तक मेरा खयाल है जिसके बारे में तव्बीश करने की कोअी चीज नहीं मालूम होती। जिन तीनचार चीजों को देखकर और खास कर जिस चीज का खयाल रखकर कि यह जो दो करोड की आमदनी है उसको बगैर हमारा बजट पूरा नहीं हो सकता, दूसरे कोअी काम नहीं चल सकते तो हमें जिसको रखना ही पडा।

जनरल बहस के दौरान में बहुती सी और भी चीजें सुझायी गयीं। कहा गया कि नये टैक्स क्यों नहीं लगाते, दूसरी कच्ची चीजों की चीजें क्यों नहीं निकालते? अगर कच्चा टैक्स रखना हो तो बजाय नये टैक्स को लगाने के पुराना टैक्स जो चल रहा है उसीकी कायम रखकर बजट जमाया जाय तो उसमें

मुझे कोअी खास नुकसान की बात नहीं मालूम होती। इस बात को नजर में रखते हुअे कस्टम्स और संरचार्ज को हटाने में मजबूरियां थीं और मैं समझता हूं कि मेरे अितने कहने के बाद यह बात बिल्कुल साफ हो गयी होगी कि न तो कस्टम्स का रखना बहुत अन्यायपूर्ण है और न इसको चालू रखने से किसानों पर या आम पब्लिक पर इसका भार आयद करने का अिरादा है। अलबत्ता इसमें जरा भी शक नहीं कि सीमाओंपरके जो लोग हैं और सीमाओंपर जहां कहीं पडोसी स्टेट के कोअी बडे शहर नजदीक आते हैं जैसे अहमदनगर या सोलापूर तो वहां के कुछ लोगों को इसमें थोडी कठिनाअी या भार मालूम होता है लेकिन अितना सहन करना बहुत जरूरी है जब कि इससे जो आमदनी होती है उसका फायदा पूरे देश को मिलता है।

श्री. रूखमाजी धोंडीबा पाटील (आष्टी) :—मूंग और जवार का भाव क्या है?

श्री. व. के. कोरटकर :—मेरे पास उसके भाव इस वक्त नहीं है। मैं थोडी सी चीजों के भाव लेकर आया था। मगर आप चाहें तो उनको मैं मुहैया कर दूंगा। मेरा कहना अितना है कि बाहर बेचने के भाव में और यहां के भाव में जो फर्क है उसको देखते हुअे कस्टम कोअी ज्यादा नहीं है और आप यकीन रखिये, आप कितनी ही कोशिश कीजिये वह फर्क व्यापारियों के जेब में जाता है। कास्त-कार के जेब में नहीं जाता। जो कुछ कस्टम हम ले रहे हैं वह व्यापारी के जेब से ले रहे ह और जब यह व्यापारियों के जेब से निकल रहा है तो मैं समझता हूं गव्हर्नमेंट का पग इसके रखनेमें पूरी तरह से न्यायपूर्ण है, इसलिये मैंने कहा कि अेक साल के बाद गव्हर्नमेंट ऑफ अिडिया सारे स्टेटों का पूरा का पूरा केस हाथ में ले रही है। मेरा जहां तक ख्याल है कान्स्टीट्यूशन भी इसके जारी रखने में आडे आ रही है इसलिये गव्हर्नमेंट ऑफ अिडिया हमको कोअी न कोअी दूसरे सोर्सेस ऑफ अिनकम दिखायेगी या जो चीजें अिनकम टैक्स वगैरा के अैवज में दी जाती हैं उनमें हमारे हिस्से को बढायेगी इसलिये हमें आशा है कि अगले साल हम इस कमीको दूर कर सकेंगे।

अिस बारे में बोलते हुवे यह भी कहा गया है कि जब गव्हर्नमेंट ने सेल्स टैक्स लगाया है तो वह कस्टम्स को क्यों नहीं दूर करती? उस संबंधमे मुझे अितनाही कहना है कि अिम्पोर्ट ड्यूटी तो पिछले साल दूर की गयी। उसके अैवज में किसी हद तक हमको सेल्स टैक्स वसूल हुआ। सेल्स टैक्स के बारे में बोलते हुवे बहुत से लोगों ने आक्षेप किया कि वह बहुत कम वसूल हो रहा है। किसी ने कहा कि ४ करोड तक वसूल होना चाहिये। तो किसीने कहा कि छः करोड तक। अेक शख्स तो यहां तक चले गये कि ८ करोड तक वसूल हो सकता है। बंबअी में चौदा करोड हो सकता है तो हैदराबाद में क्यों नहीं हो सकता? आपने बताया कि इसके वसूलीमे यह खराबियां हैं, वह खराबियां हैं और इसके बारे में यह किया जाना चाहिये अित्यादि—

**Shri L. K. Shroff** : What is the volume of internal trade in the State?

**Shri V. K. Koratkar** : I can not give it at present.

**Shri L. K. Shroff** : It is morethan 60 crores.

**Shri V. K. Koratkar** : I do not know the total, but you can judge whether the argument I am developing is right or

मैं जो चीज आपसे कह रहा हूँ वह यह है कि सेल्स टैक्स के बारे में हमने अभ्यास: स्टडी: किया और उसके बाद सेल्स टैक्स के आंकड़े जो कि दूसरे स्टेटमेंट में हैं जहाँ पर यह टैक्स जारी है उनको भी देखा। उनसे मुझे विश्वास हो गया है कि हमारे यहाँ का सेल्स टैक्स सेच्यूरेशन पॉइंट (Saturation point) को पहुँच गया है। जिससे ज्यादा सेल्स टैक्स हमारे यहाँ वसूल होगा यह संदेह की बात है। आज दो करोड़ के करीब है। मुमकिन है उसमें ४० से ६० लाख तक का अजिाफा हो जाय मुमकिन है सब तरफ से कोशिश की गयी तो ज्यादा से ज्यादा अंक करोड़ तक बढ़ जाय। लेकिन जैसे अवान में से बहुत से लोगों का ख्याल है कि हमको सेल्स टैक्स के जरिये से ६ या ८ करोड़ की आमदनी होगी तो मुझे शुबहा मालूम होता है—

श्री. रतनलाल कोटेचा :—गोरवाला कमेटी का भी यही सुझाव है।

श्री. वि. के. कोरटकर :—गोरवाला कमेटी आखिरकार आदमियों की ही कमेटी थी और मैं नहीं समझता कि गोरवाला कमेटी में कोजी जैसे बड़े आदमी थे जो अवान के मंबरो से भी अधिक बुद्धिमान हों। अवान के मंबरो को धोका हो सकता है तो गोरवाला कमेटी के मंबरो को भी धोखा हो सकता है। लेकिन मैं आपके सामने सिर्फ अितना ही रख रहा हूँ कि मैं जिस नतीजे पर पहुँचा हूँ जिन चीजों को देख कर पहुँचा हूँ वह अंक छोटी सी चीज है कोजी बहुत बड़ी चीज नहीं है। अंक वक्ता ने कहा कि करोड़गिरी से आपको ५ करोड़ की आमदनी होती है। अब आपने सेल्स टैक्स लगाया तो इस आमदनी को खतम कर दिया जाय। सही है से हम भी समझते थे इसी लिए मेरे। पूर्व के मंत्री ने यह वादा किया था कि चार साल के बाद हमारा सेल्स टैक्स अुष हद तक आ जायगा और उसके बाद हम अक्सपोर्ट और अिम्पोर्ट दोनों पर करोड़गिरी निकाल देंगे। लेकिन वह नहीं हो सका। क्यों नहीं हो सका? इसी को देखने की मैंने कोशिश की। मैंने दूसरे स्टेटों के सेल्स टैक्स को देखा। उसके बाद मुझे अंक चीज मालूम हुयी। मैं उसको अवान के सामने रखना चाहता हूँ ताकि अवान उसके अूपर गौर कर सके। जमाना बदलता रहता है, सेल्स टैक्स में कमी या ज्यादाती होती रहेगी, सब चीजें बदलती रहती हैं। लेकिन अंक चीज पर हम गौर करेंगे और वह है हमारी बुनियादी गलती।

हमने यह मानने में बुनियादी गलती की थी कि हमें ५ करोड़ रुपये रक्कम सेल्स टैक्स से वसूल हो सकती हैं। लेकिन अितनी बात तो जरूर है कि जब से सेल्स टैक्स शुरू हुवा तबसे वह बराबर बढ़ता ही जा रहा है। सन १९५१-१९५२ में यह कोजी १ करोड़ और कुछ लाख था। सन १९५२-१९५३ में अंक करोड़ ६७ लाख हुवा सन १९५३-१९५४ में अंक करोड़ और ९९ लाख रुपये हुवा और अब सन-१९५४-१९५५ में यह अंदाजा दो करोड़ २० लाख का किया जा रहा है। और मैंने परसों जो बजेट स्पीच दी थी उसमें भी इस बात का जिक्र किया गया है।

बजेट बनते वक्त हरबार अिनकम का अंदाजा कम करके खर्चों का अंदाजा ज्यादा करना ही ठीक होता है। यह अंदाजा यदि शुरू में ज्यादा किया गया और अुतना अिनकम नहीं हो सका तो गबें में पड़ते हैं। जिस लिए अिनकम का अंदाजा कम ही किया जाय तो अच्छा होता है। जिस लिये इस साल के बजेट में सेल्स टैक्स से आनेवाले अिनकम का अंदाजा दो करोड़ और २० लाख का किया गया है।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे (अिम्पगुडा) :—बजेट में तो यह अंदाजा २ करोड़ का बताया जा रहा है और अभी आप २ करोड़ २० लाख का अंदाजा बता रहे हैं यह कैसे? शायद हमारे कहने के बाद २० लाख का अजिाफा किया गया है क्या?

श्री. वि. के. कोरटकर —आपके कहने का तो कोई असर नहीं हुआ है, शायद टाअिप की गलती होगी अथवा असर हो बजट में यदि २ करोड़ लिखा है तो वही बराबर है। हमने २ करोड़ का ही अंदाजा किया है।

आप यदि दूसरे स्टेटो के सेल्स टैक्स के आकड़ों को देखें तो मालूम होगा कि उनकी आमदनी किस प्रकार है। ओरिसा, १०० लाख, पंजाब, १७८ लाख, बंगाल, ५५८ लाख, आसाम, ७१ लाख, बिहार, २७० लाख, बंबई १४०० लाख, मद्रास, १४०० लाख, उत्तर प्रदेश ५२४ लाख, मध्य भारत, १३८ लाख, मैसूर, ९८ लाख, त्रावनकोर-कोचीन २१२ लाख, पेप्सू ४५ लाख, और सोराष्ट्र ५८ लाख,

जिस तरह से अलग अलग स्टेट के सेल्स टैक्स को देखने से एक चीज नजर में आती है कि जहां बंदरगाह है वहां पर सेल्स टैक्स ज्यादा मिलता है और जो प्रदेश जमीनसे घिरे हुये हैं वहां पर सेल्स टैक्स कम मिलता है। मद्रास बॉम्बे, और वेस्ट बंगाल तथा त्रावनकोर कोचीन इन स्टेटो में सेल्स टैक्स ज्यादा वसूल होता है।

एक सन्माननीय सभासद :—मैसूर में क्यों ज्यादा है ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—मैसूर में ज्यादा कहा है वहां सिर्फ ९८ लाख ही है। वह ज्यादा है या कम है यह आप देख सकते हैं। तो मैं यह कह रहा था कि बॉम्बे, मद्रास, बंगाल, त्रावनकोर-कोचीन यह बंदरगाहों के शहर हैं। यहां माल पहले आता है। और फिर वहां से बाहर यानी पुरे हिंदुस्तान में जाता है। जिस लिये शायद अन्हे सेल्स टैक्स ज्यादा मिलता होगा। और इसी लिये वहां पर सेल्स टैक्स ज्यादा वसूल होता होगा ऐसा मेरा ख्याल है। जमीन से घिरे हुये जो प्रदेश जहां पोर्ट नहीं है, वहां पर सेल्स टैक्स कम वसूल होता है।

मेरा ख्याल है कि हम हमारे स्टेट में सेल टैक्स परिपूर्णता के पॉइंट पर पहुंच चका है। फिर भी मैं यह नहीं कहता कि हम ज्यादा सेल्स टैक्स वसूल करने की कोशिश नहीं करेंगे। यह कहा गया कि गोरवाला कमिटी ने कहा था कि ६ करोड़ तक सेल्स टैक्स यहां वसूल हो सकता है। लेकिन जब कि जिस तरह कम वसूल हो रहा है तो यह अनुमान लगाया गया कि जब ६ करोड़ का सेल्स टैक्स वसूल नहीं हो रहा है जिसका मतलब यह है कि गव्हर्नमेंट का अतिजाम खराब है। यही समझ लिया गया। लेकिन यह नहीं समझा कि गोरवाला भी एक आदमी है उससे भी गलती हो सकती है।

सेल्स के बारे में दो तीन चीजें और भी कही गयीं। मैं अंवान के सामने एक बात साफ तौर पर रखना चाहता हूँ और वह यह है कि सेल्स टैक्स की आमदनी की सहायता से हम कस्टम ड्यू नहीं कलेक्ट करेंगे कि सेल्स टैक्स की आमदनी कितनी आसकती है जिसका बराबर अंदाजा लगाना आज कठिन है। जिस लिये हम गव्हर्नमेंट ऑफ इंडिया के मदद से ही कस्टम को निकाल सकते हैं और उससे लिये दूसरे जराये डिस्टेन्स में लाये जा सकते हैं।

एक मेम्बर ने अपने भाषण में यह कहा कि तेलघानी पर जो सेल्स टैक्स लिया जा रहा है। अन्धकार के क्षेत्र चाहिये। मैंने देखा है कि जिस के बारे में काफी दरखास्ते मेरे पास आ रही हैं। और मैं भी देखता हूँ कि जिस तरह की दरखास्ते बजट के वक्त तो और भी ज्यादा ताबंद में आती हैं। मैंने अपने स्पीच में कल ही कहा था कि जिनका व्यापार ७५०० रुपये से ज्यादा होता है अन्धे सेल्स टैक्स क्षेत्र में आयेगा। तो फिर ऐसी हालत में अमीर और गरीब का सवाल जिससे नहीं जाना चाहिये। हमारा सारा मुल्क ही गरीब है। ऐसी सूरत में सेल टैक्स से किस किसको मुक्त किया जाय ? जैसे



तीन चार चीजें और भी हैं जिनके बारे में कहा जाता है कि जिसपर सेल्स टैक्स कम करना चाहिये। लेकिन मैं यह कहना चाहता हूँ कि जिस तरह यदि फरक किया जाय तो वह ठीक न होगा। मेरे पास बीडी बनानेवालोंकी तरफ से एक दरखास्त आयी है, और एक रिप्रजेंटेशन भी मुझे मिला। अन्होंने मुझे बीडी पर से सेल्स टैक्स कम करने के लिये कहा। लेकिन बडी मजददार चीज तो यह है कि अन्होंने ही जो मुझें मिलने के लिये आये थे, कहा कि सेल्स टैक्स के बावजूद भी हमारी बिक्री बढ़ रही है और प्रॉडक्शन भी बढ़ रहा है। जिस लिये सेल्स टैक्स कम होना चाहिये। मैंने उनसे कहा कि आपने जो दरखास्त दी उसके पहले शायद आपने किसी वकील की सलाह नहीं ली है असा दिखता है। नहीं तो आप जिस तरह आरग्युमेंट पेश न करते की बिक्री बढ़ रही है जिसलिये सेल्स टैक्स कम किया जाय। ऐसी हालत में तो गव्हर्नमेंट अल्टे सेल्स टैक्स बढ़ाने के बारेमें सोचेगी। जिसलिये तेलघानी आदि जो कुछ गिनाये गये हैं उसपर से सेल्स टैक्स कम करना आजकी हालत में मेरे लिये तो दुस्वार है। मैसूर और मद्रास दोनों जगहों पर तो अन्होंने बजेट की पूर्ति के लिये अल्टे सेल्स टैक्स बढ़ाया है। लेकिन हमारी गव्हर्नमेंट ने असा नहीं किया है आज तो कोअी सेल्स टैक्स नहीं बढ़ाया गया है। और किसी भी तरह से कोअी नये टैक्स नहीं लगाये हैं। इसी हदतक मैं सेल्स टैक्स के बारे में कहना चाहता था।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—मैंने कल अपनी तकरीर में हाअस के सामने रखा था कि बंबअीमें जिस तरह सेल्स टैस रखा गया है : सिंगल पॉइंट, उसके बारे में हुकूमत की क्या पॉलिसी है यह आपसे पूछना चाहता हूँ। पहले फायनान्स मिनिस्टर ने वादा किया था कि हम देखेंगे—

श्री. वि. के. कोरटकर :—पहले फायनान्स मिनिस्टर साहब ने भी हम उसी प्रकार टैक्स वसूल करेंगे असा वादा नहीं किया होगा लेकिन अितना वादा किया होगा कि हम देखेंगे। और उस वादे के मुताबिक हमने देखा है। और मैं जिस नतीजे पर पहुँचा हूँ कि हम अेकविध (सिंगल पॉइंट) की तरफ नहीं जा सकते। मैंने बंबअी का कानून देखा है वहां भी पूरी तरह सिंगल पॉइंट अभी भी नहीं है। कुछ चीजों पर सिंगल पॉइंट किया गया है और कुछ पर नहीं किया गया।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—बंबअी में जिसतरह सेल्स टैक्स में रिविजन किया गया उस तरह का रिविजन करने का हमारी गव्हर्नमेंट सोच रही है क्या ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—मैंने तो पहले ही कहा कि उसके बारेमें सोचा गया है। और मैं जिस नतीजे पर पहुँचा हूँ कि वह आज नहीं किया जा सकता है। वह बहुत तकलीफ देह है। अेक जगह यदि टैक्स गायब होगया तो सब जगह गायब हो जाता है। लेकिन बहुविध (मल्टिपल पॉइंट) में अेक जगह गायब भी होगया तो कहीं न कहीं तो वह मिलता ही है। मैंने कब कहा कि जिसपर सोंचनी नहीं जा सकती लेकिन आज वह तकलीफ देह ही दीखता है। फिर भी हम लोग अेक जगह बैठकर जिसके बारे में सोंच सकते हैं, कि किसमें सहूलियत होती है। और हमारी गव्हर्नमेंट की कुछ क्वाबा सेल्स टैक्स दे सकते हैं या नहीं? मैं आपको बतना चाहता हूँ कि बंबअी में जो जिसके लिये अेक कमिशन नियुक्त किया गया था और उसके डिपारिचमट पर बहुत बहुविध टैक्स लगाये गये हैं, अन्होंने कुछ चीजों पर सिंगल पॉइंट और कुछ चीजों पर मल्टी पॉइंट लगाये हैं। मैं जानने चाहता हूँ कि नये टैक्स पर अमन दिया जायगा।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—मैंने तो पहले ही कहा कि उसके बारे में सोचा गया है। और मैं जिस नतीजे पर पहुँचा हूँ कि वह आज नहीं किया जा सकता है। वह बहुत तकलीफ देह है।

क्रिटिसिझम में बहुत सी बातें कही गयी। यह कहा गया कि बजट से अँसा मालूम होता है कि हमारी पूंजी (असेट्स) कम है, और कर्ज (डेट्स) ज्यादा है। इस लिये यह बजट बैंकप्टसी ( Bankruptcy ) की हालत में है। यह बजट बैंकप्ट बजट है, और दिवालिया बजट है, वगैरा बहुत कुछ कहा गया।

असके बारें में मैं अितनाहि बतलाना चाहता हूं कि अँसी चीज नहीं है। जो चीजें आप के सामने रखी हैं वह सिर्फ सिक्युरिटीज ही रखी गयी हैं और वह ५२ करोड की दिखायी गयी हैं। ६३ करोड का कर्जा बताया गया है। इसलिये आपको तशवीश मालूम हुयी। लेकिन तशवीश की इसमें कोअी बात नहीं है। यह भी कहा गया कि अनका राज तो अभी दो साल है न मालूम इस तरह बजट पेश कर के दो साल बाद ये लोग दूसरों के हाथमें क्या देन वाले हैं? आप लोग शायद यह सपना देख रहे हैं। दो साल के बाद काँग्रेसवाले तो राज्य पर नहीं आनवाले हैं सपना देखने में तो अक तरह का आनंद आता ही है। लेकिन मैं आपको कहना चाहता हूं कि आप जो सपना देख रहे हैं वह मालूम नहीं सच होगा या नहीं? लेकिन सपनी दुनियामें ही आदमी को मजा आता है। दो साल बाद क्या होगा न जाने। आप तो दुःस्वप्न देख रहे हैं मगर हम अँसा काम कर रहे हैं कि दो साल बाद हमारा काम देखकर ही आपको कोअी आने ही न देगा।

जब हम बजट की तरफ देखते हैं तो सिर्फ संचित (रिझर्व्ह) देखकर काम नहीं चलता है; हमारी पूंजी (असेट्स) क्या है यह देखना चाहिये। बात यह है कि अँसेट्स जो होते हैं वह बजट में नहीं दिखाय जाते बल्कि वह गव्हर्नमेंट की जायजाद बन कर रह जाते हैं। हमारे पास आर. टी. डी. जायदाद है वह बजट में नहीं बतलायी गयी अुसीतरह अिलेक्ट्रीसिटी की जायदाद भी रझर्व्ह में नहीं बतलायी गयी। डिस्टिलरिज है; गव्हर्नमेंट की बडी बडी बिल्डिंग है। सी. आय. बी. के कितने ही मकानात हैं। बडे बडे प्रॉजक्ट्स हैं। हमारी बडी बडी अिडस्ट्रीज हैं।

**Shri V. B. Raju :** (Secunderabad-General) : What is the total expenditure upto now on productive capital works ? Has the Government any idea ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—प्रॉजक्ट की किमत तो अभी नहीं बतायी जा सकती है क्योंकि अुनमेंसे बहुतसे अभी जरे तामीर हैं। हमारी ये जो जायदादे हैं अुनमेंसे काफी जायदादे प्रॉडक्टिव्ह हैं। आर. टी. डी. प्रॉडक्टिव्ह ( Productive ) है। अिलेक्ट्रिक सिंदराबाद और हैदराबाद की हंदतक प्रॉडक्टिव्ह है। बिल्डिंग प्रॉडक्टिव्ह है। सी. आय. बी. से किराया मिलता है।

**Shri Annajirao Gavane (Parbhani) :** Except the Assembly building.

श्री. वि. के. कोरटकर :—असेंब्ली हायुस पर भी यदि किराया लगाया जाय तो वह भी प्रॉडक्टिव्ह है। अुसपर किराया लगाया जाय तो स्पीकर साहब अुसे अपने घर तो नहीं ले जायेंगे वह गव्हर्नमेंट को ही मिलनेवाला है।

شری وی۔ بی۔ راجو۔ میں ایک اندازہ چاہتا تھا کہ اسٹیٹ بینکرپٹ نہیں ہے۔ لیکن اسٹیٹ کی جائیدادیں کسی قدر پراڈکٹیو ہیں ؟

श्री. वि. के. कोरटकर :—आपने तो बहुत अच्छा सुझाया, लेकिन जिनकी कीमत अभी मेरे पास अंदाजा तो नहीं है लेकिन मेरा ख्याल है कि कोजी १०० या.....

*Chief Minister (Shri B. Ramakrishna Rao) :* The total value of the assets is Rs. 100 crores.

श्री. वि. के. कोरटकर :—चीफ मिनिस्टर साहब तो १०० करोड़ बता रहे हैं, मेरा अंदाजा तो मैं बताना चाहता था कि कोजी १२५ करोड़ की जायदाद होगी।———

*Shri B. Ramakrishna Rao :* I am speaking, Sir, on the basis of a note of the Finance Department and I can give the figure to the hon. Member. Rs 64 crores is the total reserve. Besides this Rs. 64 crores we can calculate at a modest amount of Rs. 36 crores the other assets. This will bring the total assets to Rs. 100 crores, and as the hon. Finance Minister has stated may go up a little. This is a modest calculation.

*Shri V. D. Deshpande :* Has the Finance Dept. provided to the Government the liabilities of unemployment and the growing population and whether these liabilities when compared to the assets would be on the losing side or on the profit side ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—अन एप्लायमेंट के बारे में बजेट में कुछ तो कहा गया है। उसके बारे में मैं आगे चलकर अपने ख्यालात आपके सामने रखूंगा।

आप लोगों को यह डर है कि जब हम जायेंगे तो आपके लिये कुछ रहेगा या नहीं। लेकिन डरने की कुछ बात नहीं है। हम आपके लिये बहुत सारा छोड़ कर जायेंगे। लेकिन मुझे शुबाह यह है कि पहले हम जायेंगे हीं या नहीं ?

شری اناجی راؤ کو انے - ساتھ ساتھ اپنے کا یقین بھی نہیں ہے -

श्री. वि. के. कोरटकर :—रहने का तो हमें यकिन है।

अंक और चीज में आपको बताना चाहता हूँ कि वह ६४ करोड़ का जो डेट (कर्जा) बताया गया है बजेट में, वह पूरा हमारे ऊपर नहीं पड़नेवाला है। उसकी वजह यह है कि फायनान्सियल डिटीग्रेसन के बाद तब पुलिस अँक्शन के पहले का जो कर्जा है उसके बारे में क्या किया जाय जिस बात का अभी तसफिया नहीं हुआ है। अंदाजा है कि गव्हर्नमेंट ऑफ इंडिया अपने ऊपर भी कुछ कर्जा जिसमें से लेगी। आज भी गव्हर्नमेंट ऑफ इंडिया फायनान्सियल डिटीग्रेसन के बाद जिस बारे में हमें सूद दे रही है वह करीब ४५ लाख रुपये का है।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—सेंट्रल गव्हर्नमेंट जिसमें से कितना कर्जा अपने ऊपर लेगी ? और सूद कितना देगी ?

श्री. वि. के. कोरटकर:—अभी तो जिसका तसफिया नहीं हुआ है कि कितनी रकम मिलनी चाहिये पहले कितना सूद मिलता था और अब कितना सूद मिलना चाहिये। अलल हिसाब लगाया जाय तो करीब ३० लाख ५४ हजार तक का आता है।

दुसरा पॉइंट कैश बैलन्सेस के सिलसिले में है। यह कहा गया कि कैश बैलन्सेस अर्थात् नगदी बचत घटते जा रही है। लेकिन यह कहना सही नहीं है। बात यह है कि जिस वक्त के बजेट में ज्यादा तफसीलात दिये गये हैं। यह नगदी बचत ११ करोड़ से शुरू हुई और यह भी बताया गया कि जिस साल यह बैलन्सेस ५ करोड़ के रहेंगे। यह देखकर काफी लोगों को हैरानी हुई। लेकिन जिस की वजह यह है कि बैलन्सेस में से जिस वक्त ५ करोड़ रुपये स्टेट बैंक को कर्ज के तौर पर दिये गये हैं। वह निकल जाने के कारण जिस साल नगदी बचत कम दिखायी देती है। उसको यदि मिलाया जाय तो फिर वही १० करोड़ के कैश बैलन्सेस होते हैं। और फिर ऐसी हालत में उसमें कोई बड़ा फरक नहीं पड़ता है।

फायनान्सियल डिप्टिग्रेशन के बाद रेलवे और पोस्ट ऑफिस सेक्टर ने अपने हाथ में तो लिये लेकिन वह रकम हमने अभी उनको नहीं दी है। वह न देने की वजह से जो ११ करोड़ के कैश बैलन्सेस थे उसके अंदर वह रकम भी थी। लेकिन जैसा मैंने आपसे कहा जिसका तसफिया भी उसी के साथ होगा जब कि पुलिस अेक्शन के पहले के कर्जों का यानी पब्लिक डेट (Public debt) तसफिया किया जायगा। जिस रकम को जिसलिये भी महफूज रखा गया है ताकि तसफिये के अपरान्त सहुलत के साथ सेन्ट्रल गव्हर्नमेंट की अदाओ की जा सके यह कर्जा ५ करोड़ है या २ करोड़ है जिसका अभी तसफिया नहीं हुआ है। लेकिन यह रकम जैसे लिक्विड अमाउंट के तरीके पर रहती थी उसको वहां से निकाल कर लोन अमाउंट में बदलाया गया है। उसी तरह से लोन अमाउंट को रिजर्व के तौर पर या और किसी तरीके पर हम बदला सकते हैं। हिसाब का फर्क होसकता है मगर रकम में कोई फर्क नहीं पड़ता।

*Shri V. B. Raju* : I want to bring to the notice of the hon. Minister that this money has been given from the Consolidated Fund and it needs a vote of this House.

श्री वि. के. कोरटकर:—बिल्कुल सही है। आपने जिसकी तरफ तवज्जेह दिलायी जिसके लिये मैं आपका मश्कूर हूं। लेकिन यही तवज्जेह हमारे अकौंटेंट जनरल ने भी जिसके पहिले दिलायी है और जिसके लिये सप्लीमेंटरी ग्रांट के तौर पर गव्हर्नमेंट को हाउस के सामने आना पड़ेगा। यह मुनासिब समझा गया कि जो हमारे कैश बैलन्सेस हैदराबाद गव्हर्नमेंट में रहती थीं उसमें से ५ करोड़ रूपया उनको लोन के तौर पर दिया जाय। मुझे जो कुछ अवान के सामने रखना था वह यह है कि जिस प्रकारके अितेजामात बाद नगदी बचत केवल पांच करोड़ रहनेसे हमारी आर्थिक अवस्था दिवालिया नहीं कही जा सकती।

श्री व्ही. डी. देशपांडे—स्टेट बैंक को यह कर्जा कम सूद पर क्यों दिया गया। सिक्यूरिटी या वीमर तरीकों पर रूपया लगाया जाता तो हमको ज्यादा सूद मिल सकता था।

श्री. वि. के. कोरटकर:—मैंने तफसील से रखा है जिसमें हमको सहुलियत मालूम होती थी। स्टेट बैंक में हैदराबाद गवर्नमेंट के ५१ फीसद शेअर्स हैं। जिसको देखत हुए और हैदराबाद

गवर्नमेंट और बैंक के बीच जो पुराने संबंध हैं उनको देखते हुये बैंक को यह कर्जा दिया गया है। उसके सूद का रेट क्या हो सकेगा इसपर भी मुनासिब गौर कर लिया गया है। इसके साथ साथ मैं और एक दफा सप्लीमेंटरी ग्रांट्स के वक्त इस चीज को हाउस के सामने लानेवाला हूँ। उस वक्त इस पर और बहस हो सकती है। लेकिन जो पार्श्व में रख रहा हूँ वह यह है कि यह जो खयाल किया जाता है कि ५ करोड़ कॅश बैलन्सेस बतये गये हैं उसकी वजह से आर्थिक अवस्था दिवालिया है ऐसी कोई बात नहीं है। वह पैसा आपको यहां सिर्फ दूसरे स्वरूप में दिख रहा है आज एक ओदमी एक कोट में दिखता है तो कल वही दूसरे कोट में दिखता है लेकिन चेहरे से वह आदमी वही मालूम होता है। उस में कोई फर्क नहीं पड़ता। वैसे ही बचतके पांच करोड़ में कर्जेके पांच करोड़ मिला दें तो वे भी पूर्ववत् अतने ही हैं।

और एक सवाल अठाया गया था। यह मायूसी जाहीर की गयी थी कि लंदन बैंकमें जो हमारा पैसा पड़ा हुआ है वह वापस मिलता है या नहीं मालूम नहीं। लेकिन खुशकिस्मती की बात है कि यहां बजट पर बहस हो रही है उसी समय अखबारों में खबर आयी कि उसके बारे में डिक्ली हुई है और वह निजाम की रकम है।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—यानी सब काम किस्मत पर ही चल रहा है।

श्री. वि. के. कोरटकर :— हमारी किस्मत अच्छी है तो मैं क्या करूँ? वह मेरा कसूर नहीं आपने यहां स्पीच किया और खुदाने आज ही डिक्ली कर दी। लेकिन इस डिक्ली से आज ही यह मालूम हुआ कि आलाहजरतकी रकम है। आलाहजरत यानी राजप्रमुख। लेकिन यह क्या गड़बड़ी हो गयी, तो उसके बारे में मैं कहूँगा कि इसमें कोई गड़बड़ी नहीं है। अतनाही सिर्फ मैं आपसे कहना चाहता हूँ।

एक चीज और मैं हाउस के सामने स्पष्ट कर देना चाहता हूँ वह यह है कि जिन पांच करोड़ की बात मैं आपसे कह रहा था उसमें बहुत बड़ी रकम रेलवे रिजर्व की जो अन्जमाम के गृहलेसे हमारे पास जमा है। हमने गवर्नमेंट आफ इंडिया के पास यह बात रखी है कि इसका उपयोग हमारे राज्य में रेलवे लाइन के विद्यमान में किया जाय और उन्होंने भी इसको करीब करीब कबूल कर लिया है। अर्थात् अन्ततः गत्वा यह रकम पूरी तौरपर मह फूज है।

इस बजट के बारे में दो बड़े भारी सवाल किये गये कहा गया कि नेशन बिल्डिंग डिपार्टमेंट्स पर अतना कम खर्च क्यों रखा गया है? बहरहाल मैंने अपनी अतिदाजी स्पीच में आंकड़े देकर बतलाया था कि इस साल के बजट में लगभग २१ लाख और बढ़ाये गये हैं। इसके साथ १९५० से लेकर ५२-५३ तक किस तरह से हर सेग में ज्यादा खर्च करते गये उसको भी अंश के सामने रखा था। उसी को फिर से दोहराने की जरूरत नहीं है लेकिन मैं अतना ही रखना चाहता हूँ की कभी कभी हिसाब की गलती कुछ ऐसी हो जाती है कि उसकी वजह से चीज एक ही होन पर दूसरी दिखने लगती है। नेशन बिल्डिंग डिपार्टमेंट पर जो कुछ खर्च बतलाया गया है वह आपके सामने है और आपने भी इसको कबूल किया है कि यह पूरे बजट का करीब करीब ४० फीसद होता है। बहरहाल कितना भी हो। लेकिन एग्जीक्यूटिव के लिये ७५ लाख, वेटरनरी २२ लाख, कोऑपरेटिव के लिये २२ लाख, अंजुशन के लिये ५१० लाख, असीस्तरह से मेडीकल के लिये १ करोड़

९ लाख अिरीगेशन के लिये १ करोड ६० लाख, अिडस्ट्रीज के लिये २३ लाख, सिविल वक्स के लिये १ करोड ९९ लाख, कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स के लिये ८१ लाख, रूरल स्कीम्स के लिये २४ लाख, हरिजन और ट्रायबल वेलफेअर फंड के लिये ५१ लाख अिस तरह से कुछ १३ करोड १२ लाख का यह खर्च है और अिसमें अगर अिस साल क जोतकावी वगैरा के रूपमें काश्तकारों वगैराके १ करोड २५ लाख दिये गये हैं तो यह रकम और भी बढजाती है। अिसको छोडकर और भी जो प्रोजेक्ट्स में या दूसरे वेलफेअर स्कीम्स में रुपया खर्च किया गया है अुन सब को मिलाया जाय तो यह खर्च ४१ फीसद के बजाय ४६.९ फीसद होता है। बहरहाल चौदह, पन्द्रह करोड का यह खर्च कम नही है अिसका हिसाब पर हेड कितना आता है अिस तरह से निकाला जाय तो अुसके लिये मैं कुछ नहीं कर सकता। हमारे पास कितना रुपया है और अुसमें से कितना हम अुठा सकते हैं अुसको देखना चाहिये। पर हेड ( Per Head ) के हिसाब से देखेंगे तो अगर अिस रकम को मैं डबल भी कर दूं तो भी आपको संतोष नहीं हो सकता।

दूसरी बात जो मैं अँवान के सामने रखना चाहता हूं वह यह है कि हिसाब लगाते वक्त यह कह दिया गया कि ४१ फीसद रुपये नेशन बिल्डिंग के लिये लगाये गये और बाकी जो कुछ बचे वह सब के सब अेडमिनिस्ट्रेशन पर लगाये गये। लेकिन अैसी बात नही हुअी है। ४१ फीसद नेशन बिल्डिंग पर लग गया तो बाकी ५९ फीसद अेडमिनिस्ट्रेशन पर लग गया अिस तरह से हिसाब नहीं लगाया जा सकता। यह हिसाब का तरीका गलत है। अेडमिनिस्ट्रेशन पर सारा का सारा पैसा नहीं लगता अुसको बहुतसी मदों में बाटा जाना चाहिये। अिसके लिये मैंने हिसाब निकाला है। अुसको देखा जाय तो २९ करोड २ लाख का बजट अिस तरह से बांटा है। सोशल सर्विस में १३ करोड १२ लाख, कर्जकी अदाअी में ३ करोड ५९ लाख, जागीरदारों के माविजे और मनसबों की अद अी में १ करोड ४६ लाख, मालगुजारी की वसूली में ३ करोड ४४ लाख पेन्शन १ करोड ७० लाख यह सब जाने के बाद अेडमिनिस्ट्रेशन सर्विस में केवल ५ करोड ७१ लाख लगता है। अिस तरह से कुल २९ करोड २ लाख होते हैं। मैं अँवान के सामने रखता हूं कि आपन अेडमिनिस्ट्रेशन का जो खर्च निकाला है वह किस तरह से निकाला है। आपका जो हिसाब लगान का तरीका है वह गलत है। अेडमिनिस्ट्रेशन का खर्च सिर्फ ५ करोड ७१ लाख का है। याने वह १९.६ अिसमें पेन्शन अुन लोगों को मिलती है जो पहले अेडमिनिस्ट्रेशन में रहते थे। अुसको भी अिसमें मिलाया जाय तो ५.६ करोड परसेंट और बढजाता है तो २४.६ परसेंट हो जाता है। अिसके साथ साथ दूसरे हेडज जैसे कि रेविन्यू कलेक्शन की डायरेक्ट डिमांड को भी मिला लिया जाय तो अिसके निस्वत मरा अपना खयाल है कि नहीं मिलाना चाहिये क्योंकि यह अेडमिनिस्ट्रेशन का खर्च नहीं है। जैसे कारखाने में कैपिटल के तौर या और खर्च के तौर पर जैसा रुपया लगता है वैसी ही यह चीज है। फिर भी अिन तीनों हेडज को मिलाने के बाद तो भी अेडमिनिस्ट्रेशन का खर्च ६० फीसद नहीं होता, वह सिर्फ ३७.४ परसेंट होता है।

श्री व्ही. डी. देशपांडे :— क्या अितना खर्च दुनिया के अंदर सबसे महंगी टैक्स कलेक्शन और अेडमिनिस्ट्रेशन की मशीनरी का नहीं समझा जाता।

श्री. वि. के. कोरटकर :— जो चीजें सामने रखी गयी हैं अुनसे मैं नहीं समझता कि यह महंगी मशीनरी है। अिसमें मशीनरी तो बिल्कुल जरूरी मशीनरी है और अुसका खर्च निक्कलने का यही तरीका रहता है। लीडर ऑफ अपोजीशन ने यही रखा था कि टैक्स कलेक्शन का जो खर्च चायना

में होता है वह सिर्फ १० फीसद है। वह किस तरह से निकाला गया है उसको देखा जाना चाहिये। क्योंकि चीनमें जो आमदनी बतलायी गयी है वह इंडस्ट्रीज और कारखाने से भी मिलती है। अब यदि कारखानों का केवल मुनाफा मालगुजारी में जमा किया गया और कारखाना चलानेके खर्चको नजरअंदाज किया गया तो परसेंटेज कम निकलता है। यदि उसको भी मिला लिया गया तो परसेंटेज अधिक हो जाता है। बहरहाल चीनकी मिसाल देते हुये हिसाब आपने किस प्रकारसे निकाला है, यह मैं नहीं कह सकता। यहांके लिये मेरा अपना खयाल है कि यह ३५ फीसद खर्च कोभी ज्यादा नहीं है।

मेरे पास जिस वक्त दूसरे स्टेटों के बजट नहीं है। लेकिन नेशनबिल्डिंग के लिये हमारे स्टेटस में जो खर्च किया जाता है उसको मैंने देखा है और जिसके लिहाज से जो ४१ फीसद या दूसरे अखराजात जो मैंने बताये उनको मिलाकर ४६ फीसद का हमारा खर्चा कम नहीं है। इसके लिये गवर्नमेंट को किसी के सामने शरमिदा होने की जरूरत नहीं है। जो भी खर्च दूसरे स्टेटस में किया जा रहा है उनके मुकाबले में हम अवसत में आकर पड़ जाते हैं और वहां का खर्च मैं आँखों के सामने रखना चाहता हूँ। ऐशन बिल्डिंग डिपार्टमेंट का खर्च आसाम में ४२ फीसद, बिहार में ४० फीसद, बंबई में ४१ फीसद, मध्यप्रदेश में ३७ फीसद, मद्रास में ५१ फीसद, ओडिसा में ४३ फीसद, पंजाब में ३७ फीसद, उत्तर प्रदेश में ३३ फीसद, वेस्ट बंगाल में ४० फीसद, मध्यभारत में ४० फीसद, मैसूर में ३९ फीसद जिस तरह से है। मैसूरके बारेमें अितना बताना जरूरी है कि जहां से मैंने ये आंकड़े लिये हैं उसमें मैसूर में ज्यादा खर्च यानी ५१ फीसद बतलाया गया है। मगर उसमें उन्होंने वहां जो दो कारखाने हैं उसका जो वर्किंग खर्चा है वह भी जिसमें डाल दिया है। मैंने उसको अलग कर के ३० फीसद पकड़ा है। और इसके बाद पेप्सू में ३८ फीसद, राजस्थान में ४३ फीसद, सौराष्ट्र में ४४ फीसद, त्रावनकोर कोचीन में ४५ फीसद और हैदराबाद में जैसा मैंने आपसे अभी कहा कुछ रकमों को छोड़ कर ४१ फीसद और उनको पकड़कर ४६ फीसद होता है। उनको पढ़ने के बाद नेशन बिल्डिंग डिपार्टमेंट पर दूसरे स्टेटस में क्या खर्च किया जाता है उसको देखें तो वह ३६ फीसद से लेकर ४५ फीसद तक है। हमारे यहां का खर्चा जैसा कि मैंने बताया कुछ रकमों को लेकर किया जाय तो टाप पर जाता है और उनको छोड़कर किया जाय तो औसत पर रहता है। यह खर्च किसी तरह से ऐसा नहीं है कि जिसके लिये गवर्नमेंट को पब्लिक के सामने शरमिदा होना पड़े।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—अंग्रेजों के जमाने में कितना था और अब कितना बढ़ा है ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—यह बात ऐसी है कि अगर यह सवाल जवाब का वक्त होता तो मैं कह देता कि इसके लिये नोटिस दी जाय। क्योंकि आप जानते हैं कि इसके बारे में मैं अकेलम तो नहीं कह सकता। मैं भी नहीं कह सकता और आप भी नहीं कह सकते। यह मुझे भी मालूम नहीं है और आपको भी मालूम नहीं होगा क्योंकि अगर आपको मालूम होता तो आप अपनी स्पीच में बता देते। हंसी (Laughter)

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—मेरा कहना है कि कोबी-सब्सटेन्शियल फर्क नहीं हुआ है क्योंकि इस वक्त जो टाप हेवी मशीनरी थी उसीको कायम रखा जा रहा है।

شری بی۔ رام کشن راؤ - نیشن بلانگ ڈیپارٹمنٹس کا موازنہ دوگنا ہوا ہے۔

شری ایم بیچیا (سرپور) نظام صاحب کی کمپنیشن ہسٹری کیا ہے ؟

*Mr. Speaker :* You need not answer every question.

*Shri M. Buchayya :* This is an important question.

*Mr. Speaker :* No interruption please.

श्री. वि. के. कोरटकर :—जिसके बाद एक और सवाल बहुत शहोमद के साथ आया है और जिसकी तरफ गव्हर्नमेंट की बहुत तवज्जह है वह मराठवाडे का सवाल है। मराठवाडे के बारे में बहुत से सदस्यों ने चाहे वे अधर के हों या अधर के, कहा कि मराठवाडे को बिल्कुल क्यों भुला दिया गया है ? यों देखा जाय तो उसके पहले दो तीन जवाब-जवाब तो मैं नहीं कहता लेकिन मजबूरियां रखी जा चुकी हैं। एक मजबूरी यह रखी जा चुकी है कि जिन प्रोजेक्ट्स पर काम हो रहा है वे पिछली सरकार के रखे हुए हैं, अतः हम मुकम्मिल कर रहे हैं। पहले से इस तरह क्यों रखे गये ऐसा कहा जाय तो उसके बारे में यही बतलाया गया कि मराठवाडे की स्थिति कुछ ऐसी है कि वहां बड़े बड़े प्रोजेक्ट्स शुरू नहीं किये जा सकते थे क्योंकि वहाँ से बड़ी-बड़ी नदियां आगाज होती हैं। और नदियां आगे जाकर जहां बड़ी हो जाती हैं वहाँ बड़े प्रोजेक्ट्स बनाये जा सकते हैं वगैरा वगैरा। मगर यह जवाब कुछ सही था और कुछ गैरसही था। इससे संतोष होना मुश्किल है। इसके लिये गव्हर्नमेंट की तरफसे चीफ मिनिस्टर साहब ने एक स्टेटमेंट सब लोगों के पास भेजा है। उसमें बतलाया गया कि बड़े प्रोजेक्ट्स को छोड़कर बाकी अत्यंतिक कार्यों के बारे में मराठवाडे की जानिब किसी प्रकारसे अपेक्षा नहीं बर्तीजारही है।

पूर्णा प्रोजेक्ट के बारे में बहुत कुछ कहा गया।

श्री. गोविंदराव मोरे :—वहां जो दवाखाने मौजूद थे वे बंद करके हैदराबाद में क्यों लाये जा रहे हैं ?

श्री. वि. के. कोरटकर :—दवाखाने कौन बंद कर के लाता है। कोबी नहीं लाता। ऐसा करेंगे तो जुल्म हो जायगा। लेकिन यहां सवाल प्रोजेक्ट्स का है। मैं आपसे कहता हूं कि हमारे कैबिनेटने यह निर्णय किया है। हम हद दर्जे तक जिद्द करेंगे ; और इस स्कीम को इस साल के अंदर बाहर पंचसाला कार्यक्रम में लाने की कोशिश करेंगे। कोशिश ही नहीं करेंगे बल्कि लायेंगे भी, यह मैं कह सकता हूं। जहां तक हो सके लायेंगे यह भी कहने की जरूरत नहीं है क्योंकि यह कोबी बड़ी बात नहीं है। लेकिन मैं अतना कहूंगा कि जानबूझकर मराठवाडे की अपेक्षा नहीं कि गयी है। यह हमारी ही शिकायत है ऐसी बात नहीं है। बंबली में भी यही हुआ है। वहां भी कहा जाता है कि आप मराठवाडे के लिये ऐसा क्यों नहीं किया अत्यादि लेकिन मराठवाडे की स्थिति ही ऐसी है की वहां से नदियां आगाज होती हैं। यह बड़े किस्मत की बात है कि बड़ी अच्छी चीज है कि वहाँ से नदियां आगाज होती हैं और आगे जाकर बढती हैं दूसरों की मदद करती हैं।

श्री. गोविंदराव मोरे (कंधार-आम) :—क्या वहां पर अग्नीकल्चरल कालेजेस या दीगर कालेजेस भी नहीं बनाये जा सकते थे ?



श्री. वि. के. कोरटकर :—अभी आपके जरिये यह चीज सामने आओ है। अबतक आपमें से किसी ने नहीं कहा कि कालेज नहीं हुए हैं। लेकिन पुलिस अेक्शन के बाद औरंगाबाद और नांदेड में दो कालेज खुले हैं। लेकिन यहां सवाल प्रोजेक्ट्स का है। बीच बीच में दूसरे सवाल खड़े करने से फायदा नहीं। मैंने आपसे कहा कि कैबिनेट हतुलअिमकान कोशिश करेगी और फिर मैं यह भी कहूंगा कि बंबई में जिस तरह से कोशिश कर के कोयना प्रोजेक्ट को घसीट पर पंचसाला प्रोग्राम में लाया उसी तरह से पूर्णा प्रोजेक्ट को लाना कोओ बडी चीज नहीं है। मैं आज अितना ही कहूंगा कि अिसके लिये पूरी पूरी कोशिश की जायगी। मैं यहां तक कहूंगा कि जिस तरह से बच्चा जिद लेकर बैठ जाता है और आखिर लड्डू ले ही लेता है उसी तरह से पूर्णा प्रोजेक्ट को पंचसाला कार्यक्रम में लाने की कोशिश की जायगी। अिस वक्त प्लानिंग कमिशन के सामने यह सवाल जेरेगोर है। मेरे सहयोगी मेहदीनवाज जंग साहब कह रहे हैं कि अिसको भी बता दिया जाय क्योंकि हम अिस चीज के बहुत नजदीकतक आ गये हैं।

अब अिडस्ट्रीज के बारे में फिरसे वे ही चीजें जो दो तीन साल से दोहराओ जा रही हैं कही गयीं। अिडस्ट्रीज के बारे में गव्हर्नमेंट की पालिसी बिल्कुल साफ है। कम से कम मेरी हदतक मैं बहुत ज्यादा साफ हूं। हमारी काँग्रेस गव्हर्नमेंट की साफ पालिसी है कि खानगी प्रयत्न को अिसमें बराबर स्थान दिया जायगा। अिसके साथ साथ बेसिक अिडस्ट्रीज की हदतक अुनके नेशनलायजेशन पर विचार किया जायगा और वह नेशनलायजि की जायेंगी। बारबार पूछा जाता है कि अिडस्ट्रीज के बारे में पालिसी साफ क्यों नहीं की जाती? मैं समझता हूं कि गये तीन अैवानों में अिसका साफ साफ अल्फाजों में जवाब दे चुका हूं और वही जवाब अिस वक्त भी है। यहां फिर वही सवाल अुठाय़ा गया कि बिल्डी को दो कारखाने क्यों दिये गये? अब अिसके बारे में मैं चार वक्त बोल चुका हूं कि अुस वक्त हमारे पास पैसा नहीं था, कम था और ज्यादा लोन हम नहीं दे सकते थे। अिसके साथ साथ हमारी यह भी पालिसी थी कि कमोडिटीज अर्थात् चालू माल बनानेवाले कारखानोंमें से गव्हर्नमेंट अपने संबंधों को अलग करती चली जाय।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—लेकिन आपके असामी ठीक नहीं मालूम हो रहे हैं? पिछले साल अैसा नहीं दिया और अिस साल भी देनेवाले नहीं हैं अैसा मालूम होता है।

श्री. वि. के. कोरटकर :—देने वाले जरा अैसे ही रहा करते हैं। आपको मालूम है कि कभी मुझे देना पडा है, कभी आपको देना पडा है। वक्त पर देना जरा मुश्किल हो जाता है। लेकिन हमारी आसामी अैसी नहीं है। मुझे अिसका अितमीनान है। पैसे देने का जो वायदा था अुसके बारे में यह था कि जिस रोज मेनेजिंग अेजन्सी अुनको तफवीज की जायगी अुस वक्त वह कर्जा वापिस करेंगे। यह पैसा देने का सारा प्रोग्राम गव्हर्नमेंट के सामने है, कि किस तरह से दिया जाय, प्रिफरन्स शेअर्स कितने लिये जायें, अुसमें से कितने निकाले जाय वगैरा। गव्हर्नमेंट अिससे बिल्कुल घबराओ हुआ नहीं है। अभी मेनेजिंग अेजन्सी रजिस्टर नहीं हुआ है अिसलिये पैसा नहीं मिला है। रजिस्ट्रेशन क्यों नहीं हुआ तो अुसके लिये हमको क्लॉज बाय क्लॉज चलना पडता है। अुसके लिये चार स्थानोंसे मंजूरी लेनी पडती है। अिसीलिये मैं तजूर्ब से कहता हूं कि गव्हर्नमेंट के पास जो अिडस्ट्रीज रहेंगी वह अितनी फायदेमंद नहीं होंगी क्योंकि गव्हर्नमेंट मशीनरी हमारे ही हाथ में नहीं लेकिन आपके पास आने के बाद भी अुतनी तेज नहीं रहती अितनीकी प्रायवेट अेंटरप्रायज (Private enterprise) के हाथ में रहने से होती है। मैंने कहा कि रजिस्ट्रेशन करना है तो चार लोगों की मंजूरी

लेनी पड़ती है। दो कंपनियों के बीच का मामला रहा तो दोनों अकेले जगह बैठकर फैसला कर सकते हैं। लेकिन जिसका तसफिया होना है तो पहले कॅबिनेट की मीटिंग बुलानी पड़ेगी, उस पर विचार होगा और बीच में ही कहीं दूसरा जरूरी काम हुआ तो यह सवाल ऐसा ही रह जायगा, फिर कभी बाद में लिया जायगा, जिसके बाद वह गव्हर्नमेंट ऑफ़ इंडिया की तरफ जायगा, फिर जनरल मीटिंग होगी, बहुत सी बातें हैं। मैं भी समझ रहा था कि ज्यादासे ज्यादा तीन महीने में जिसको हम कर डालेंगे इसीलिये जिसमें यह क्लोज़ रखा था कि जब तक रजिस्ट्रेशन नहीं होता तब तक अनुको रक्कम दी जाय। मैं कहना चाहता हूँ कि जिस क्लोज़ में तय किया गया था कि जब तक मैनेजिंग अजन्सी बिडला के नाम पर न की जाय तब तक अनुको पैसे देने की जिम्मेदारी हुकूमत पर रहेगी। लेकिन ऐसा होने पर भी हमने बिडला से कहा कि हमारे पास पैसा नहीं है, आप कहीं से भी लाइये और फैक्टरी को बनाइये। इसीलिये तो मैं अपनी हद तक बहुत मुतमआन हूँ। गव्हर्नमेंट ने अगर कुछ किया है तो कोसी बुरी बात नहीं की है। अभी एक वक्ताने कहा कि सिरपुर में टनेज बढ़ गया है। और सिरसिल्क अगर जिस वक्त हमारे पास होता तो वहाँ काम शुरू होता या नहीं मालूम नहीं लेकिन अब ऐसीटिक एसिड बनाने की हद तक काम पूरा हो गया है और सूत भी बनना थोड़े दिन में शुरू हो जायगा।

एक वक्ता ने बोधन शुगर फैक्टरी के बारे में कहा कि वह फैक्टरी बहुत अच्छी चल रही है तो गव्हर्नमेंट उसको अपने कब्जे में क्यों नहीं लेती? मैंने पहले भी कहा था और आज भी कहता हूँ कि हमारी पालिसी है कि अजेंट की तरफ से ही जिसको चलाया जाय और उसी तरह से वह चलेगी मुझे जिसपर से भेड और भेडिये का वह किस्सा याद आया जिसमें भेडिया कहता है कि तू नहीं तो तेरे बाप ने किया होगा। असा किया जाय तो भी आक्षेप हैं और वैसा किया जाय तो भी आक्षेप लिये जाते हैं। उन्होंने कहा कि बोधन फैक्टरी को क्यों नहीं कब्जे में लेते। लेकिन जब आर. टी. डी. का सवाल आता है जिसका अंतजाम गव्हर्नमेंट के हाथ में है तो कहा जाता है कि आपकी वजह से वहाँ तमाम खराबियाँ पैदा हो गयी हैं। मेरा इसीलिये कहना है कि आप कितनी अफिशियन्सी से काम करें गवर्नमेंट मशीनरी से कारखानों में उतना अच्छा काम नहीं किया जा सकता जितना कि प्रायवेट अंटरप्राइज से होता है। इसीलिये कॉंग्रेस की पोलिसी है कि बेसिक इंडस्ट्रीज के सिवा दूसरी इंडस्ट्रीज के नेशनलायजेशन की तरफ हम नहीं जाना चाहते और इसी पालिसी के तहत हम सारी इंडस्ट्रीज को चलायेंगे।

हैदराबाद स्टेट में लोहे का कारखाना खोलवाने के बारे में भी कहा गया। क्योंकि हिंदुस्तान में एक बड़ा लोहे का कारखाना खोलनेवाला था और उसके लिये मध्यप्रदेश, बिहार और अडोसा की गवर्नमेंटों ने काफी कोशिश की और शायद इस वक्त वह कारखाना अडोसा में कायम होनेवाला है। मुझ से यह पूछा गया कि यहाँ पर कारखाना खोलवाने के लिये हैदराबाद गवर्नमेंट ने कोशिश क्यों नहीं की? अब्बल तो यह है कि मैंने अतने शहीमद से कोशिश नहीं की थी जितनी कि मध्यप्रदेश और अडोसा ने की थी। वजह यह है और शायद जिन्होंने सवाल किया उनका भी यह ख्याल होगा कि किसी जमाने में हैदराबाद में सोचा गया था कि यहाँ एक कारखाना खोला जाय और अभी एक वक्ताने कहा कि हैदराबाद में 'मैचस्टर' क्यों नहीं बनाया गया। हैदराबाद में मैचस्टर बनाने का सफाया अनुसंधानों में से एक है जो कि आजाद हैदराबाद के जमाने में उस वक्त के लोग लिया करते थे। उनके लिये बहुत सारे अनुसंधानों में से एक भी सफल नहीं हुआ। उस वक्त यह भी स्कीम बनायी

गयी थी कि मंचेरियाल में अंक बड़ा भारी लोहे का कारखाना डाला जाय। मैंने जिस वक्त यह चीज अखबार में देखी कि हिंदुस्तान में अंक लोहे का कारखाना खुलवाये जानेवाला है तो फौरन आपने इंडस्ट्रीयल जिंजीनिअर्स को बुलाया और पुरानी स्कीम्स को निकालकर देखा। उसके बाद यहां दो विदेश के अक्सपर्ट्स आये थे जिनके नाम मैं भूला जा रहा हूं अंक बेलजियन थे और दूसरे और कहीं के थे। उनसे भी मैंने मुतालिया कराया और पूछा कि क्या हो सकता है। वाक्या ऐसा है कि हमारे पास ओर (Ore) यानी कच्चा लोहा है वह अतनी बड़ी तादाद में नहीं है। क्यों कि फैक्टरी वहीं पर डाली जा सकती है जहां फैक्टरी डालने के बाद हजारों टन लोहा कम से कम ५० साल तक निकलता रहेगा। नहीं तो फैक्टरी डालने से कुछ फायदा नहीं है हमारे यहां ओवर अितन, नहीं है कि अितने साल तक फैक्टरी चल सके। दूसरी बात यह है कि हमारे यहां का परसेंटेज भी बहुत कम है। लोहे की फैक्टरी वहीं पर डाली जा सकती है जहां इसका परसेंटेज ६० फीसद से कम न हो इससे कम हो तो फैक्टरी से कोअी फायदा नहीं हो सकता और हमारा ओर ऐसा है कि ३०-४० फीसद से ज्यादा लोहा नहीं निकल सकता। ऐसी सूरत में यह चीज गलत थी कि हम यहां पर लोहे की फैक्टरी डाल सकें। आजाद हैदराबाद के जमाने में सोचा जा रहा था कि फैक्टरी हैदराबाद में रहेगी लोहे का 'ओवर' बस्तर स्टेट से लाया जाया जायगा और यही बजह है कि मध्यप्रदेश अपने यहां कारखाना खोलने के लिये कोशिश कर रहा था क्यों कि अब बस्तर मध्यप्रदेश में शामिल हो गया है। लेकिन उस जमाने में बस्तर हैदराबाद के बार्डर पर अंक स्टेट था और यह सोचा जा रहा था कि उसको खरीद कर हैदराबाद में मिला दिया जाय। अंक के अैसे कभी बड़े बड़े सपने थे, बड़े बड़े अजीब और गरीब सपने थे। अंक को हमें नहीं लेना चाहिये। इसलिये मैंने इसकी कोशिश नहीं की।

असके बाद हैदराबाद में जो फैक्टरियां बंद हुईं अंक के बारे में सवाल किये गये। यह फैक्टरी बंद क्यों हुई, असके पीछे क्या था। मैं हजार वक्त बोल चुका हूं कि हैदराबाद की इंडस्ट्रीज किस तरीके से पुराने जमाने में चलायी गयी, किस तरह से वे ओव्हर कैपिटलाइज्ड की गयी और क्यों की गयी। उस वक्त की हुकूमत की इंडस्ट्रियल पालिसी अलग थी। दो आदमी चुन लिये गये थे, अंक को बड़े भारी इंडस्ट्रियलिस्ट समझा गया था। चारों तरफ से पैसा जमा करना और अंक को देते जाना और फिर कभी न देखना कि क्या हुआ और क्या नहीं हुआ। बड़ी अजीब और गरीब पालिसी थी। यहां के इंडस्ट्रियलिस्ट्स ने उस जमाने में जैसे मकानात बना रखे हैं जो कोअी इंडस्ट्रियलिस्ट अपनी इंडस्ट्री के लिये कभी नहीं बनायेगा असीलिये वे इंडस्ट्रीज नहीं चल सकीं। लेकिन अब अिन्हीं इंडस्ट्रीज का प्रोडक्शन पुराने जमाने के मुकाबले काफी बड़ा है। मैंने अपने बजट स्पीच में बतालाया था कि सीमेंट, कोल संगसेल, कपडा और शक्कर का प्रोडक्शन हमारे यहां काफी बड़ा है। ऐसी कोअी चीज अब नहीं है जिस लिये के इंडस्ट्रीज के बारे में आपको तशवीश की जरूरत हो। इसी के साथ साथ यहां की इंडस्ट्रीज को बढावा देने के लिये हाल ही में अंक इंडस्ट्रियल कारपोरेशन कायम हुआ है उसकी बजह से इंडस्ट्रीज में बहुत काफी तरक्की होगी।

شری وی - بی - راجو - آپ اپنی اسپیچ میں دیڑھ کروڑ روپیہ ریزروبنک کے پاس جمع ہونا فرماتے تھے کیا وہ کنسالیڈیٹڈ فنڈ سے دیر سے ہیں یا وہ اوٹسائیڈ فنڈ سے -

श्री. वि. के. कोरटकर :- मैंरा जहां तक ख्याल है वह औटसाइड है।

हां, तो मैं क्या कह रहा था? जिसतरह बीच में गड़बड़ होती है तो भूल जाता हूं। डिस्ट्रीज के बारे में कुछ कह रहा था। कुछ बड़ी बात नहीं है।

एक चीज शिक्षण के बारे में कही गयी। लेकिन शिक्षण के बारे में बहुत कुछ नहीं कहा गया यह खुशी की बात है। कहते भी क्या यह सवाल था। शिक्षण पर खर्चा पहले की अपेक्षा ज्यादा बढ़ा है और सब जगह आज काफी बड़ी तादाद में शिक्षण दिया जा रहा है। हमारा शिक्षण का जो पांच साल का प्रोग्राम था वह तो हमने दो ही साल में खतम किया। दूसरे स्टेडोके लोग जिस बात को देखकर कहते हैं कि गव्हर्नमेंट ऑफ हैदराबाद ने शिक्षण के बारे में बहुत तेज कदम अठाया है। और हमें बड़ा ताजुब होता है कि हैदराबाद में अितनी तेजी से किस तरह काम किया जा रहा है हमारे जिस काम की सभी जगह सराहना की जा रही है।

आखिर शिक्षण के बारे में कुछ न मिला तो एक चीज तो बोलने के लिये मिलही गयी कि आपने बेसिक अज्युकेशन निकाला है। यह बेकार है। जिससे कोअी फायदा नहीं होनेवाला है। कोअी बड़ी घबराने की चीज नहीं है बेसिक अज्युकेशन पर कोअी बहुत बड़ा खर्चा नहीं होनेवाला है। लेकिन मैं यहां पर एक चीज साफ कहना चाहता हूं कि बेसिक अज्युकेशन यह हमारा एक फेथ (विश्वास) है। हमारा यह फेथ हमने काफी सोचविचार के बाद कायम किया है। हम बराबर बेसिक अज्युकेशन बढ़ाने की कोशिश करेंगे। यह कहा गया कि बेसिक अज्युकेशन में हम बच्चे को काम पर लगायेंगे और टोकरिया बनायेंगे और बेचेंगे और उसी पैसों से यह पाठशाला चलायी जायेगी। जिसमें शिक्षण नहीं मिलेगा। जिस तरह के काफी अंतराज किये गये। लेकिन ऐसी बात नहीं है। आज हम देखते हैं कि आज की जो शिक्षा प्रणाली है उसमें डिगनिटी ऑफ लेबर नहीं है। हम बेसिक अज्युकेशन द्वारा डिगनिटी ऑफ लेबर (Dignity of Labour) अर्थात् श्रमके बारे में अुच्च श्रद्धा को बढ़ाना चाहते हैं मैं भी समझता हूं कि आज के शिक्षण के बाद हाथ से काम करना यह एक छोटी और कम खर्च की बात मानी जाती है। बेसिक अज्युकेशन में अगर कोअी सबसे बड़ी चीज है तो चारित्र्य (कैरेक्टर) बनाने की है। चारित्र्य गठन यह बड़ी महत्व की बात है। आज बच्चे सिर्फ किताबी पढाओ के लिये स्कूल में जाते हैं वहां काम से बातें ज्यादा होती हैं। हाथसे काम करने की तरफ कोअी ध्यान नहीं दिया जाता। असल चीज यह है कि शिक्षण में चारित्र्य की चीज सबसे बड़ी है। उसकी तरफ तो आज के शिक्षा प्रणाली में कोअी ध्यान नहीं दिया जाता जिसके लिये हमारा आज का जो शिक्षण है वह फेल हो गया है अिन सब बातों को ध्यान में रखते हुये हमने बेसिक अज्युकेशन को माना है हमारा वह फेथ है हम बेसिक अज्युकेशन को जरूर बढ़ायेंगे। और उसके लिये जरूर खर्चा भी करेंगे।

स्त्री शिक्षा के बारे में भी बहुत कुछ कहा गया। यह अंतराज किया गया कि स्त्री पुरुषकी शिक्षा पर बराबर पैसा खर्च नहीं किया जाता। मैं यह कहना चाहता हूं कि जिस तरह कहना गलत है जो कुल रकम खर्च की जाती है उसमें स्त्री और पुरुषों पर बराबर खर्च की जाती है।

मैंने पहले ही जबाब दिया है कि अज्युकेशन पर ५ करोड़ ९० लाख रुपया खर्चा हो रहा है। वह सब के लिये बराबर खर्चा किया जा रहा है। एक मकान में मैं मेरा भाभी, मेरी भावज आदि रहती है और यदि सब घर के लिये कुछ खर्चा करता हूं और मेरी भावज यह कहे कि तुम तो मेरे लिये कुछ खर्चा नहीं कर रहे हो तो जिसका तो मैं कुछ जबाब नहीं देसकता। ५ करोड़ ९० लाख रुपया खर्च किया जा रहा है वह पुरुष और स्त्रियों सबके लिये किया जा रहा है।

यह कहा गया कि युनिवर्सिटीको जो १० लाख रुपया दिया जाता था उसमे कमी हुयी यह अच्छा हुवा । मैभी कुछ इसी राय का हू कि युनिवर्सिटीपर हमे ज्यादा खर्चा नही करना चाहिये । लेकिन बॉम्बे की मिसाल यहां नही ली जा सकती है । बॉम्बे मे युनिवर्सिटीपर जितना कम खर्च किया जाता है । अतना तो हम नही कर सकते । हमारी युनिवर्सिटीको कॉलेज का भी खर्चा करना पडता है । हमारी युनिवर्सिटी अेक टीचिंग युनिवर्सिटी (Teaching University) ह । जिस लिये हमे बॉम्बेकी अपेक्षा कुछ ज्यादा अिमदाद तो देनीहि पडेगी । जो मोटे पॉअिट थे वह मैने आपके सामने रखे ही है ।

नेशन बिल्डिंग पर जो अखराजात थे वह मैने आपके सामने रखे है । अलबत्ता दो चीजो पर बृहत कुछ कहा गया अेक अनअेप्लायमेंट यानी बेकारी और दूसरा करपशन अर्थात रिश्वत । मैने अनअेप्लायमेंट अेक्सचेज के आकडे तो पहलेहि दिये है । उसमे मालूम होगा कि कमसे कम जिस साल रजिस्ट्रेशन तो कम हुवा प्लेसमेंट (नोकरीपर लगाना) ज्यादा हुवा । मै लेबर अनअेप्लायमेंट के बारे मे अपने बजेट स्पीच मे जानबूझकर चुप रहा । क्योकि हमने हाअुसकी तरफसे अेक लेबर अन अेप्लायमेंट कमीटि कायम की है और अुसका काम चल रहा है । जैसा कि लिडर ऑफ दी अपोजिशन ने कहा कि जिस कमिटीका काम अेक मिनिस्टर से पूरा नही हुवा तो दूसरे आये अुनसे भी पूरा नही हुवा तीसरे आये और अब चौथे आनेकी जरूरत न होनी चाहिये यह आशा की जाती है । मै अुनके जिस विचार से बिल्कुल सहमत हूं । अपोजिशन लिडरभी जिस कमिटी के अेक सदस्य है । यह कहना गलत होगा कि हमने जिस प्रश्न को अनुभव नही किया, गलत होगा । हमने जिसे काफी अनुभव किया लेकिन आज तक किसी भी नतीजे पर हम नही पहुच सके है कि जिसके लिये क्या करना चाहिये । यह प्रश्नही हमारी समझमे अबतक नही आता है । मै यह कह सकता हूं कि जितना यह प्रश्न बडा बताया जाता है अुतना वह तीव्र नही है । जितनी बेकारी है अुससे अुसका प्रचार ज्यादा हुवा है । यह कहा जाता है कि लेबर अन अेप्लायमेंट ज्यादा है । लेकिन यह सही नही है । अभी मेरे पास अेक गुत्तेदार, गुत्तेदार नही बल्कि हमारे चीफ अिजिनियर आये थे ।

श्री. व्ही. डी. देशपांडे :—शायद वह गव्हर्नमेंट के गुत्तेदार होंगे ।

श्री. वि. के. कोरटकर :—चीफ अिजिनियर आये थे ; वे कह रहेथे कि कांबली और तलवा के प्रॉजेक्ट है अुसके बारे मे टेडर मंगाये है । लेकिन गव्हर्नमेंट जिस रेट पर काम करवाना चाहती है अुसपर काम करने के लिये कोअी तैयार नहीं होता है । मजदूर नही मिलते हैं अक तरफ तो कहा जाता है कि मजदूरों को काम नही मिलता है और दूसरी तरफ यह कहा जाता है कि मजदूर काम के लिये नही मिलते है । मैने परसों ही कहा था कि रायचूर में हमें नहरकी खुदाअी का काम करना है लेकिन वहा हमे काम करने के लिये मजदूर ही नही मिलते हैं । मै यह मानता हूं कि बेकारी का प्रश्न तो जरूर है, लेकिन अुसकी तीव्रता पढेलिखे लोगों में ही ज्यादा है । मजदूरों में यह प्रश्न अभी जितना तीव्र नहीं हुवा है । अुलटें हमें जरूरत है तो भी लेबर नहीं मिलता है । यह हालात है ।

मैने अभी तक जो रिपोर्टें कमिटी अुनी है अुसके रिपोर्ट का मै अितेचार कर रहा हूं । जिस कमिटी के रिपोर्ट के बाद ही

अब करपशन के बारे में भी बहुत कुछ कहा गया। करपशन के बारे में मैं अतिनाही कहना चाहता हूँ कि करपशन को जितने जोर शोर से कहा जाता है, मैं समझता हूँ अतना जोरदार नहीं है। मेरी नजर में बहुत कम हिस्सा नजर में आया। और जो हिस्सा मेरी नजर में आया तो मैंने देखा की यह करपशन पूरे समाज में फैला है वह कुछ ऐसा नहीं जिसे विरोधी दलके नेताने कहा था। अंग्रेजी में कहा जाता है ना कि सीन्सर्स वाओफ शुड बी बीयांड सस्पिशन (Ceasar's wife should be beyond suspicion) लेकिन हमारे पूरे समाज में ही यह करपशन है। अगर लोग यह समझते हैं कि हम करपशन कायम रखना चाहते हैं तो यह गलत है। लेकिन जबतक कोभी काँफिट सबूत होता नहीं तब सिर्फ़ शुबहा कि बिनापर कुछ नहीं किया जा सकता। जब किसी करपशन की केस की जांच करने जाते हैं तो मालूम होता है कि कोभी और ही मामला है। ऐसी हालतमें क्या किया जाय। यदि करपशन बराबर मालूम हुवा तो अुस शक्स के खिलाफ बराबर अॅक्शन लेंगे अुसको छोडेंगे नहीं।

मगर जिसके साथ यह भी बात कहना चाहता हूँ कि हमारे अुपर के अधिकारियोंमें करपशन ज्यादा नहीं है और यदि नीचें कही करपशन है भी तो वह बहुत ज्यादा नहीं है। करपशन है तो वह सभी में है मैं मिसाल के तौर पर कहना चाहता हूँ कि सेल्स टॅक्स के बारे में कहा गया कि बेपारी माल लेने पर रसीद नहीं देता है। अब यह तो कोभी सरकारी मुलाजीम नहीं?। यह रसीद लेनेवाला और रसीद देनेवाला दोनोही का गव्हर्नमेंट से कोभी तालुक नहीं आता। लेनेवाला यह देखता है कि रसीद न ली तो सेल्स टॅक्स न देना पडेगा। और बेचनेवाला यह देखता है रसीद न दी सेल्स टॅक्स की रकम हम हडप कर सकते हैं। अिन्कम टॅक्स के बारे में भी यही कहा जाता है कि वे लोग अलग अलग हिसाब रजिस्टर्स रखते हैं जिसके बारे में आखीर में अितनाही कह सकता हूँ कि करपशन का जितना शोर है अुससे वह बहुत कम है। नीचे के दर्जों में अगर कोभी करपशन है भी तो वह यही बताता है कि हमारी सोसायटी का वह प्रतिबिंब है। हमारी सारी सोसायटी में आज यह चीज हो रही है। हमारे सामने जो मुख्य सवाल है वह मोरल का सवाल है। बात यह है कि हमारा मॉरल बहुत गिरा हुवा है। जिस सवाल को हमें देखना होगा। आप जिस सब की तहमें जाकर देखेंगे तो यही मालूम होगा कि हमारा मॉरल गिरा हुवा है। अिन सब का कारण यह हो सकता है कि समारी जिदगी गिरती हुयी नजर आ रही है। लेकिन अब हममें सचाजी बडे पमानेपर आती जा रही है और यही सचाजी सोसायटी को बदल देगी। और हम जरूर अुपर चढेंगे।

यह बंद अलफाज में अवान के सामने रखना चाहता था। जैसा कि मैंने कहा कि यह अेक बिल कूल सादा और कामन आदमी का बजेट है। तो अगर आप कहे कि जिस बजेट में कोभी करामत नजर नहीं आती है तो न आय। करामत के लिये यह बजेट नहीं बनाया गया। यह सादा बजेट जिसमें काँग्रेस को शरम लगे ऐसी कोभी बात नहीं है।

यह कहा गया कि फला काम नहीं किया गया वह नहीं किया गया यह नहीं किया गया अित्यादी यह भी कहा गया अगर ठीक काम न किया गया तो आपकी यह जो चौखट है वह टूट जायेगी। लेकिन जिसकी मुझे तो कोभी डर नहीं मालूम होता। यदि बहुत हुवा जिसी चौखट के अंदर कोभी नयी चीजें नजर आयेंगी लेकिन यह चौखट नहीं टूटेगी।

बहुत कुछ कहा गया कि चीन में यह हुआ चीन में हुआ चीन में वह हुआ मगर हिंदुस्थान में तो कुछ नहीं हुआ। लेकिन गये ६ साल के अंदर हिंदुस्थान के जो बड़े बड़े प्राजेक्ट बने उसका जिक्र नहीं किया गया। हिंदुस्थान याने सिर्फ हैदराबाद स्टेट नहीं। चीन के अंदर जिस तरह कितने बड़े बड़े प्राजेक्ट बने हमारे यहां दामोदर व्हॉली प्राजेक्ट भाकरा नांगल तुंगभद्रा और मुकुन्द जैसे बड़े प्राजेक्ट बने हैं। चायना में कहीं अंक प्राजेक्ट बनता तो उसकी अितनी बड़ी डींग मार रहे हैं। हमारी यह प्रोग्रेस देख कर बाहर के लोग तो ताज्जुब कर रहे हैं। चायना का मुकाबिला आप हैदराबाद से नहीं कर सकते भारत से करना चाहिये। हमारे यहां जो अंक डेप्युटेशन अभी अफगानिस्तान से आया था अन्होंने हमारी पंचसाल प्लान की तरक्की देख कर बड़ी खुशी जाहिर की और तारोफ की। अन्होंने कहा कि ६ साल के अंदर हमने हमारी अकानामिक हालात में जो तरक्की की है वह अितनी बड़ी तरक्की है कि किसी-दूसरे मुल्क ने इस तरह तरक्की नहीं की है। अेव्होल्यूशन ( Evolution ) उत्क्रांति और रेव्होल्यूशन ( Revolution ) में यही फरक है। हम उत्क्रांति के जरीये से तरक्की कर रहे हैं यह चौखट टूटते हुवे भी तरक्की की जा रही है। कभी लोग सोचते थे कि हमें स्वतंत्रता मिलने के बाद यह चौखट जो थी वह अेकदम टूट जायेगी। लेकिन ऐसा नहीं हुआ दुनिया के लोग ताज्जुब केसाथ देख रहे हैं कि वही चौखट कायम रख कर हमने कितनी प्रगति आज कर ली है अंग्रेजों भी यही सोचा था कि चौखट, हम भारत छोडते ही टूट जायेगी, रियासतों में गडबडी मच जायेगी और भारत के लोग फिर हमें बूलायेंगे। लेकिन आश्चर्य की बात है कि यहां चौखट टूटी नहीं। उसी चौखट को कायम रखते हुवे देशने प्रगति की। और हमारा भारत आज चमक रहा है

यह कहा गया कि अगर आपने बजेट ऐसा ही रखा तो आपको यहां पर त्रावनकोर, कोचीन देखना पड़ेगा। मैं कहता हूं त्रावनकोर, कोचीन ही क्यों देखना पड़ेगा पेप्सू क्यों नहीं देखना पड़ेगा त्रावनकोर, कोचीन भी देखना पडा तो मैं कहता हूं वहां भी ज्यादा से ज्यादा तादाद में आज कांग्रेस आजी है यहां के बाय अिलेक्शन में भी कांग्रेस के ही अमीदवार ज्यादा चुनकर आये हैं। यह कहा गया कि कांग्रेस के लोगों ने यह नहीं किया वह नहीं किया, जिस लिये आबाम में बड़ी मायूसी है मैं अपने भाजियों से कहना जाहता हूं कि जनता मायूस किससे होती है। जिससे लोग यह अपेक्षा रखते हैं यह कुछ करेगा, और जो जनता के लिये कुछ करता है। लोगोंका यह भरोसा है अगर कुछ आबाम की भलाओ कोजी करनेवाली है तो कांग्रेसही है। जबतक आबाम का यह विश्वास हमारे साथ है तबतक घबडाने की कोजी जरूरत नहीं है।

मैं आपसे पूछना चाहता हूं कि आज हमारे देश की अिज्जत दुनिया में किसने बढाई है जिस आप जरा सोचे। आज हमारी कितनी अिज्जत दुनिया में है। आज हमने हमारी अेक स्वतंत्र पालिसी रखी है कि हम किसी के साथ नहीं रहेंगे। और जहातक हो हम दुनिया में शांति करायेंगे हमारा शांति का मार्ग है। मैं आपसे पूछना चाहता हूं कि कोरिया की लडाई किसने बंद कराई? हिंदुस्तान ने ही कोरिया की लडाई बंद कराकर वहां शांति स्थापित की। हिंदुस्थान की ही यह हिम्मत थी कि उसके प्रधान मंत्री ने आयसेन होवर को कहा कि तुमने पाकिस्तान के साथ शस्त्र संधी की है अब तुम न्यूट्रल नहीं रहे अब तुम्हें अपने ऑबर्जर्वर्स ( Observers ) याने निरीक्षक का कोजी अधिकार नहीं। तुम्हें अपने निरीक्षक वहां से हटाने चाहिये। और अमरीका के जो निरीक्षक वहां हैं वह अब न्यूट्रल ( Neutral ) नहीं समझे जायेंगे

आज अमरीका को इस तरह जबाब देने की किसकी ताकत है। हिंदुस्थान को यह नैतिक ताकत है हिंदुस्थान अमरीका से कर्जा लेता है लेकिन अमरीका से नहीं दबेगा यही हमने दुनिया को जिस तरह का जबाब देकर दिखाया है। आज दुनिया में अमरीका की कितनी शक्ति है यह तो आप जानते ही हैं। अंसी हालत में आयसेनहोवर से इस तरह से बोलनेवाले थोड़े लोग हैं। आज अंग्रेजों जैसा मुल्क भी आयसेनहोवर से इस तरह से बोलने की हिम्मत नहीं करते। अंग्रेज भी अक्सर के विरुद्ध कुछ नहीं कह सकते। यह आज हिंदुस्थान की ही ताकत है कि वह इस तरहसे अमरीका-जैसे शक्तिशाली राष्ट्र को इस तरह जबाब दे सकता है। यह जो हिंदुस्थान की ताकत है वह असल में नैतिक शक्ति है। जिस तरह सन १९४२ में बंबई में कांग्रेस ने अंग्रेजों से कहा कि क्विट इंडिया (Quit India) अतनी ही ताकत से आज और अगुनी शब्दों में आज हमारे नेता जवाहर लालजीने अमरीका से कहा कि तुम्हें अपने निरीक्षकों को काश्मीर से निकालना पड़ेगा। काश्मीरसे अपने निरीक्षक निकालो, वह वहां अब नहीं रह सकते। लोगों का यह विश्वास है कि हम ही हिंदुस्थान को एक शांति मार्ग पर ले जा सकते हैं। लेजा रहे हैं, और आगे भी हम ले जायेंगे। यह बजेंट असी नैतिक शक्तिका प्रतीक है जिसमें कोअरी शर्म की चीज नहीं है।

8-30. P. M.

*The House Then adjourned till Half Past Two of the Clock on Thursday the 11th March, 1954.*